مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

272

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

مُحدِّث

ستمبر ۲۰۰۳ء

۲ فکری محکومی کا انجام کب ہوگا؟
۲۵ مغربی مسلمانوں کے بعض روزمرہ مسائل
۵۶ مغرب سے تہذیب واقدار کی کشمکش

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

ملّت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلّہ

ماہنامہ **مُحدِّث** لاہور

حافظ عبدالرحمٰن مدنی
مدیر اعلیٰ

حافظ حسن مدنی
مدیر

جلد ۳۵ / شمارہ ۹
رجب المرجب ۱٤۲٤ھ
ستمبر ۲۰۰۳ء

فہرست مضامین

فکر و نظر
'فکری محکومی' کا انجام کب ہوگا......؟ — محمد عطاء اللہ صدیقی — ۲

کتاب و حکمت
قرآن فہمی کے بنیادی اُصول اور لغتِ عرب — مولانا محمد عبدہٗ الفلاحؒ — ۱۴

فقہ و فتاویٰ
مغربی مسلمانوں کے بعض روزمرہ مسائل — شرعی فقہا اسمبلی، امریکہ — ۲۵

تہذیب و اقدار
مغرب کے ساتھ تہذیب و اقدار کی کشمکش — ڈاکٹر مہاتیر محمد — ۵۶

اسلام اور سائنس
'صحیح سائنسی علم' اسلام کا ہم نوا ہوتا ہے! — ریاض الحسن نوری — ۷۲

زر سالانہ ۲۰۰/ روپے
فی شمارہ ۲۰/ روپے

بیرونِ ممالک
زر سالانہ ۲۰/ ڈالر
فی شمارہ ۲/ ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700

Ph: 5866476, 5866396, 5839404
Email: hhasan@wol.net.pk

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلّی اتفاق ضروری نہیں!

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

Publisher: Hafiz Abdul Rahman Madani
Printer: Shirkat Printing Press, Lahore

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

فکری محکومی کا انجام کب ہوگا؟

برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کے لئے علیحدہ ریاست کے قیام کا مقصد عظیم ہی یہ تھا کہ الگ سے ایک خطہ زمین مسلمانوں کو مل جائے جہاں وہ اپنے تہذیب وتمدن کو از سر نو قائم کرسکیں اور اپنی زندگیاں اسلام کے بتائے ہوئے سنہری اصولوں کے مطابق بغیر کسی رکاوٹ کے گزار سکیں۔

آج جب ہم ۵۶ برس کے بعد قیامِ پاکستان کے مقاصد اور پاکستانی معاشرے کی نہج کا باہمی موازنہ کرتے ہیں تو سخت پریشانی اور اُلجھن ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ایک خواب تھا جو ریزہ ریزہ ہوگیا ہے اور جس کی تعبیر اور تکمیل کا امکان دور دور تک دکھائی نہیں دیتا۔ انگریزوں کی سیاسی غلامی سے آزادی کے بعد ہماری ذہنی وفکری محکومی نہ صرف بدستور چلی آئی ہے بلکہ اس کی شدت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

افسوس ناک امر یہ ہے کہ اس ذہنی وفکری محکومی کے خاتمے کے لئے منظّم شعوری جدوجہد کی بات تو کیا، سرے سے اس فکری محکومی کا احساس ہی مفقود ہوتا جارہا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک صورت یہ ہوگئی ہے کہ ہمارے اندر اس ثقافتی وفکری غلامی کی طرف پسندیدگی اور چاہت کا شدید میلان پیدا ہورہا ہے جس کے نتیجے میں ہمارے اندر اپنے تہذیب وتمدن کے متعلق حقارت آمیز جذبات بھی تیزی سے پروان چڑھ رہے ہیں۔ ثقافتی استعمار کی یہ بدترین صورت ہے کہ جس کا ہم پاکستانی قوم کے طور پر بحیثیتِ اجتماعی شکار ہیں۔ ہماری تہذیبی وسماجی اقدار اس تیزی سے بدل رہی ہیں کہ ہمیں اپنا قومی چہرہ اور تشخص پہچاننے میں بھی دقت محسوس ہورہی ہے۔ پاکستان کے دیہاتوں میں ابھی صورتِ حال اس قدر سنگین نہیں ہے، لیکن ہمارے شہروں کا تمدن تو بہت حد تک بدل چکا ہے!! ہمیں اس تہذیبی مظہر کا شعوری

www.KitaboSunnat.com

طور پر تجزیہ کرنا چاہئے۔ آخر ہماری اس فکری محکومی اور ثقافتی مرعوبیت کے اسباب کیا ہیں؟

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب دو تہذیبوں اور قوموں کا سیاسی سطح پر تصادم ہوتا ہے تو پہلے عرصے میں غالب قوم محکوم قوم پر اپنا سیاسی اقتدار مستحکم کرنے کے لئے تہذیبی تسلط قائم کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتی ہے اور محکوم قوم اس استیلا کے خلاف شدید مزاحمت کرتی ہے، اسے اجنبی کلچر کی برتری کا احساس نہیں ہوتا بلکہ جارح کلچر سے اپنے ثقافتی اور تہذیبی ڈھانچے کو محفوظ رکھنے کا احساس شدت سے اجاگر ہوتا ہے، اور اس کے خلاف نفرت کے جذبات شدت سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس اولین مرحلے میں حاکم اور محکوم قوموں کے درمیان تہذیبی اختلاط زیادہ نہیں ہو پاتا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب غالب قوم کا سیاسی اقتدار طول اختیار کرتا جاتا ہے اور وہ تمام سیاسی ومعاشی اداروں اور ملک کے تمام تر وسائل پر قابض ہو جاتی ہے اور محکوم قوم کو معاشی استحصال اور جبر کے آہنی شکنجے میں کس لیتی ہے تو پھر محکوم قوم کے کچھ طبقات حوصلہ ہار جاتے ہیں اور آنے والے حکمرانوں کو ناگزیر حقیقت سمجھتے ہوئے ان سے سمجھوتہ کر لینے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں، ان کی طرف سے دی گئی تعلیم حاصل کرتے ہیں تاکہ ملازمتوں کا حصول ممکن ہو سکے، اسی طرح تہذیبی تصادم کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے کہ جہاں محکوم قوم کی غالب اکثریت اپنی تہذیبی وسماجی اقدار سے چمٹی رہتی ہے اور غالب قوم کو پہلے ہی کی طرف غاصب اور اجنبی سمجھتی ہے، البتہ ایک اقلیت حاکم قوم کے ساتھ اقتدار میں شراکت کی خواہش کے تابع اپنے آپ کو وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھال لیتی ہے اور انہیں اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلاتی ہے۔

یہی وہ طبقہ ہوتا ہے جو حکمران طبقے کی طرف سے دی گئی مراعات سے بھرپور استفادہ کرتا ہے اور ایک منزل آنے پر ان کے دست وبازو کی حیثیت بھی اختیار کر لیتا ہے۔ وہ اپنا تعلق عوام الناس سے منقطع کر کے حکمران طبقے سے غیر مشروط وابستگی کی صورت میں جوڑ لیتا ہے۔ دو تین نسلوں کے بعد اس طبقے کی ذہنی ترقی اس طرح ہو جاتی ہے کہ وہ حاکم قوم کے کلچر کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے اور اسی کو پروان چڑھانے کے لئے مسلسل جدوجہد میں مصروف رہتا ہے۔ عوام کی اکثریت اس مراعات یافتہ طبقے کو استحصالی گروہ سمجھتی ہے اور اس سے متنفر

www.KitaboSunnat.com

رہتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس مراعات یافتہ طبقے اور اس کے حواریوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے، وہ ملکی وسائل اور حکومتی اداروں پر اپنا تسلط اس طرح جما لیتے ہیں کہ عام افراد کے لئے ان سے تعاون کئے بغیر نہ تو ملازمتوں کا حصول ممکن رہ جاتا ہے اور نہ ہی معاشی میدان میں ترقی کے امکانات باقی رہ جاتے ہیں، اس لئے چار وناچار ان کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ پھر حکومتی مشینری کا جبر واستبداد، حکومتی ذرائع ابلاغ کا جارحانہ پراپیگنڈہ، تعلیمی اداروں اور دیگر حکومتی شعبہ جات کے توسط سے حکومتی نقطہ نظر کی وسیع پیمانے پر تشہیر اچھے خاصے صاحبِ عقل افراد کی مقامی ثقافت سے وابستگی اور اس پر اعتماد کی چولوں کو ڈھیلا کر دیتی ہے۔ وہ شدید فکری اور تہذیبی کرب سے گزرنے کے بعد بالآخر غالب ثقافت کے سامنے نہ صرف ہتھیار ڈال دیتے ہیں بلکہ اس کو اپنانے میں خوشی بھی محسوس کرتے ہیں۔ یہاں سے قوموں کے تہذیبی تصادم کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ بلکہ اسے تصادم کی بجائے 'ملاپ' کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ عملاً 'تصادم' ملاپ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔اس دور کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں کہ محکوم قوم کو اپنا تہذیب وتمدن اور طرزِ معاشرت، فکری منہاج اور سماجی اقدار دوسرے درجے کی چیزیں محسوس ہوتی ہیں اور وہ انہیں اپنی ذہنی ومادّی ترقی کے راستے میں رکاوٹ سمجھنا شروع کر دیتے ہیں۔ غالب قوم کی ثقافت اور ان کے تمام تہذیبی اداروں سے لگن اور چاہت کا گراف اونچا ہو جاتا ہے۔ ان کے قوانین، سماجی اقدار، سیاسی ادارے اور افراد ایک اعلیٰ اور برتر تہذیب کے مظہر دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں یہ احساس جاگزیں ہو جاتا ہے کہ ان کی غلامی کی اصل وجوہات ہی یہ ہیں کہ وہ اور ان کی تہذیب وثقافت اور تمدن ایک فرسودہ، دقیانوسی اور رجعت پسندانہ معاشرے کی ثقافت کے مظاہر ہیں، جن کی ترویج ان کی ترقی کے لئے سم قاتل ہوگی۔ وہ مسلسل اس نفسیاتی خلجان میں مبتلا رہتے ہیں کہ اپنے اندر نشست وبرخاست، بول چال، لین دین، تحریر وتقریر، معاملات وتعلقات، لباس وپوشاک، کھیل وتفریح کے معاملے میں اپنے آپ کو آقاؤں کے رنگ میں ڈھالنے کی شعوری وغیر شعوری کاوش کرتے رہتے ہیں۔ آقاؤں کی محفل میں باریابی کو اپنے لئے باعثِ افتخار اور اعزاز سمجھتے ہیں اور ان کی طرف سے التفات ملنے پر پھولے نہیں سماتے۔ ان کی حصولِ جاہ

www.KitaboSunnat.com

وحشمت کی اس ساری جدوجہد کا زبردست المیہ یہ ہے کہ وہ 'فنا فی الاقا' کا مقام حاصل نہیں کر سکتے اور ان کے آقا ان کو اس سارے انجذاب اور تقلید کے باوجود ایک محکوم، گھٹیا اور غیر مہذب قوم کا فرد سمجھتے ہیں اور ہمیشہ ان سے غلاموں جیسا برتاؤ کرتے ہیں۔ آقا اپنی نسلی اور تہذیبی برتری میں محکوم قوم کو کسی بھی صورت میں شراکت کا حق نہیں دیتے، البتہ ان کو کچھ مراعات عطا کر دی جاتی ہیں تاکہ وہ غالب قوم کے دست وبازو بن کر اس کے سیاسی اقتدار میں طوالت کا ذریعہ بنے رہیں۔

اس تہذیبی 'ملاپ' کے تیسرے دور میں بھی اجنبی ثقافت سے نفرت کا احساس بالکل ختم نہیں ہوجاتا۔ اب بھی ایک محدود طبقہ اس کو اپنانے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ وہ اس کے خلاف برابر جدوجہد کرتا رہتا ہے اور لوگوں کو بتاتا رہتا ہے کہ تہذیبی غلامی کے کیا سنگین نتائج برآمد ہوں گے لیکن ان کی آواز 'صدا بہ صحرا' ثابت ہوتی ہے۔ جن لوگوں کے ضمیر میں تہذیبی محکومی کا نشہ دوڑ چکا ہوتا ہے، وہ انہیں جاہل، خبطی اور رجعت پسند اور معاشرے کے ایک ناکام طبقے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ ذرائع ابلاغ میں ان کی کھل کر تحقیر کی جاتی ہے، ان کا تمسخر اڑانے اور انہیں استہزا کا نشانہ بنانے کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دیا جاتا، نوجوان نسل کے دماغ میں یہ بات اُنڈیلی جاتی ہے کہ یہی وہ طبقہ ہے جو اس قوم کو ترقی یافتہ اور خوشحال ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا اور یہی وہ طبقہ ہے کہ جس کی ہٹ دھرمی اور غیر لچک دار رویے سے آج ہم اس منزل پر پہنچے ہیں کہ ترقی یافتہ قوموں میں ہمارا کہیں بھی شمار نہیں!!

ذرا غور فرمایئے؛ آج ہم غلامی کی کس منزل پر فائز ہیں، پہلی دوسری یا آخری منزل؟ اگر آپ کو پاکستانی قوم کے مقام کا تعین کرنے میں کسی قدر تذبذب کا سامنا ہے تو ہم آپ کے گوش گزار کیے دیتے ہیں کہ ہم آج غلامی کی آخری منزل پر فائز ہیں اور اس میں استقامت کے حصول کے لئے اپنی ساری صلاحتیں کھپا رہے ہیں۔ ذہنی محکومی کی بدترین شکل وہ ہوتی ہے کہ جس کے اثرات معاشرے کے مراعات یافتہ محدود طبقے سے نکل کر معاشرے کے ادنیٰ طبقات کی عظیم اکثریت کے ذہنی ونفسیاتی ڈھانچے میں سرایت کر جائیں۔ صرف جدید تعلیم یافتہ، اہل ثروت، صنعت کار، بیوروکریٹس اور جاگیردار طبقے کی حالت میں تبدیلی کی بات ہوتی

www.KitaboSunnat.com

تو صورتحال اس قدر المناک اور کرب انگیز نہیں تھی۔ یہاں تو المیہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کے ادنیٰ طبقات جو ہر معاشرے میں بالا طبقات کے اثرات سے محفوظ رہتے ہوئے مقامی ثقافت کو اپنا کر اس کے تعمیری ارتقا کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں، وہ بھی ذہنی محکومی کے سرطان سے محفوظ نہیں رہے۔ یہ کوئی انکشاف نہیں ہے، عام مشاہدے کی بات ہے، جس کی تصدیق کے لئے کسی افلاطونی فلسفہ طرازی کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

برصغیر کے سماجی اور روایتی نظام نے بعض طبقوں اور پیشوں پر 'حقارت' کا ٹھپہ لگایا ہے حالانکہ اسلام میں اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ہندوستانی معاشرے کے ان مطعون اور حقیر پیشوں سے منسلک خاندانوں کو 'کمی کمین' کا نام دیا جاتا ہے۔ فکری محکومیت کا یہ عالم ہے کہ اب وہ بھی اپنے کاروبار اور پیشوں کو فرنگی لبادہ اوڑھنے پر مجبور دکھائی دیتے ہیں۔ آپ پورا شہر گھوم جایئے آپ کو کسی بھی 'نائی' یا حجام کا بورڈ دکھائی نہیں دے گا، ہر جگہ 'ہیئر ڈریسرز، باربرز اور بیوٹی پارلرز کے خوش رنگ بورڈ دکھائی دیں گے۔

پورے لاہور میں آپ کو 'درزی' کہیں نہیں ملے گا، البتہ 'ٹیلرز' ہر گلی کوچے میں کثرت سے مل جائیں گے۔ 'درزی' ایک ایسی جنس نایاب ہے جو مارکیٹ میں دستیاب نہیں ہے۔ لاہور جیسے بڑے شہر میں 'دھوبی' کا بورڈ دیکھنے کو نگاہیں ترس گئی ہیں، ہر طرف 'ڈرائی کلینرز' ہی پھیلے ہوئے ہیں۔ اس شہر میں کوئی گویا رمیراثی باقی نہیں رہا، ان کی جگہ آرٹسٹ، فنکار اور گلوکاروں نے لے لی ہے۔ کام کی اصلیت کوئی معنی نہیں رکھتی، یہاں تو نام چلتا ہے۔

اب ماشاء اللہ سب 'مشرف بہ مغرب' ہوگئے ہیں اور اپنے آپ کو عزت واحترام کا بجا طور پر مستحق سمجھتے ہیں۔ اب 'کپڑے کا بازار' اور 'بزاز' صفحہ ہستی پر موجود نہیں ہیں، ان کی جگہ پر مارکیٹس اور کلاتھ مرچنٹس اُگ آئے ہیں۔ آپ بھاؤ انگریزی زبان کے اعداد وشمار میں نہیں چکائیں گے تو دکاندار پر آپ کا تاثر ایک جاہل مطلق کا سا ہی پڑے گا۔ اگر آپ کو انگریزی زبان نہیں آتی تو کم از کم دکاندار پر یہ راز منکشف نہ ہونے دیں کہ آپ اس سے یکسر نابلد ہیں ورنہ آپ لمحوں میں اس کی نگاہوں میں گر سکتے ہیں۔ مال روڈ، لبرٹی مارکیٹ اور انارکلی کا سرسری جائزہ لیجئے، اگر ان میں گھومتے ہوئے آپ یہ محسوس نہیں کرتے کہ آپ کسی لندن کے

www.KitaboSunnat.com

بازار سے گذر رہے ہیں تو پھر یہ نقص آپ کے محسوسات میں ہے، ورنہ دکانداروں نے تو آپ کی سہولت کے لئے بے حد بلیغ انگریزی میں اپنی دکانوں کے ماتھوں پر بورڈ آویزاں کیے ہوئے ہیں۔

اب ذرا راہ چلتے ہوئے پرائیویٹ سکولوں کے بورڈوں پر نگاہ کیجئے، آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ کس عرق ریزی سے ہمارے ان 'ماہرین' تعلیم نے انگریزوں کے ناموں کو آپ کے ذوقِ مطالعہ کے لئے منتخب کیا ہے۔ برطانیہ میں تو کیمبرج، آکسفورڈ، گرامر جیسے ادارے شاید ایک ہی جگہ ہوں گے لیکن ہمارا کوئی شہر ان سے محروم نہیں ہے۔ سکولوں کو کامیابی سے چلانے کے لئے نمایاں طریق پر 'انگلش میڈیم' کو مشتہر کرنا ضروری ہے، کیونکہ ہماری قوم 'انگلش میڈیم' کے علاوہ کسی بھی سکول کو معیاری تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اور اب تو سکولوں میں آکسفورڈ سے کم کسی نصاب کے ذریعے تحصیل علم کو بھی مشکوک خیال کیا جاتا ہے۔ ہر پبلک سکول میں امپورٹڈ نصابی کتب ہی تعلیمی معیار کی واحد ضمانت ہیں۔

شادی بیاہ کے متعلق عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس میں مقامی ثقافت اور روایات کی پاسداری کی جاتی ہے۔ لیکن آپ یہاں کے فائیو سٹار ہوٹلوں، شادی گھروں کا سروے کیجئے آپ کو انگریزی باجوں کے علاوہ دلہا موصوف بھی انگریزی لباس میں جلوہ افروز دکھائی دیں گے۔ معاملات طے کرتے وقت دیگر شرائط کے ساتھ لڑکی والوں کی طرف سے یہ شرط بھی عائد کی جاتی ہے کہ دولہا میاں کا کوٹ پتلون میں ہونا ضروری ہے، ورنہ ان کے سماجی وقار کو شدید دھچکا لگے گا۔ کئی ایسے دولہاؤں کی حالتِ زار پر ترس کھانے کو جی چاہتا ہے جنہیں شادی کے موقع پر پہلی مرتبہ انگریزی لباس زیب تن کرنے کے جان گسل مرحلے سے گذرنا پڑتا ہے، ان میں سے بعض تو جاہل مطلق ہوتے ہیں اور باراتیوں کی اکثریت ان کے اس 'علمی مرتبے' سے واقف بھی ہوتی ہے لیکن انہیں ان پابندیوں کا خیال بہر حال رکھنا پڑے گا ورنہ معاشرے میں ناک اونچی کیسے رہ سکے گی۔ ہمارے ایک دوست کے سسرال والوں نے یہ عجیب شرط بھی لگائی کہ دولہا کے ساتھ ساتھ باراتی بھی حتیٰ الامکان کوشش کریں کہ کوٹ پتلون پہن کر آئیں تاکہ محلے والوں پر رعب پڑ سکے۔

www.KitaboSunnat.com

ہم 'ترقی' کی اس منزل پر فائز ہیں کہ ہماری قومی شاہراہوں پر ڈرائیور حضرات کے لئے ہدایات بھی بزبانِ انگریزی ہی درج کی جاتی ہیں۔ مری سے 'پتریاٹہ' جاتے ہوئے ہمیں عجیب اُلجھن کا سامنا کرنا پڑا، راستے میں رفتار آہستہ کرنے اور خطرناک موڑ کے متعلق نشاندہی کی سب ہدایات فصیح انگریزی زبان میں درج تھیں لیکن ہماری گاڑی کا ڈرائیور اَن پڑھ تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس سڑک پر سفر کرتے ہوئے یہ شرط آخر کیوں نہ رکھی گئی کہ اس پر صرف انگریز خواتین وحضرات ہی گاڑی چلا سکتے ہیں۔ میں نے اپنے ہم سفر سے دریافت کیا کہ آخر اس سڑک پر اُردو میں ہدایات کیوں تحریر نہیں کی گئیں۔ ان کا جواب سن کر میں اپنے سوال پر شرمندہ ہوا، فرمایا: ''آخر کچھ باہر کے ملکوں کے لوگ بھی یہاں آتے ہیں، ان کی سہولت کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔'' گویا مقامی ڈرائیوروں کو ان ہدایات کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنے بین الاقوامی ہونے کا مصنوعی تاثر دینے کے مرض میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

ذرا قریبی 'اخبار سٹال' پر کچھ دیر رک کر آپ اخبارات اور رسائل کے ناموں کو غور سے پڑھئے، کئی ایسے اخبارات اور رسالہ جات پر آپ کی نگاہ پڑے گی، جو چھپتے تو اُردو میں ہیں لیکن ان کے نام انگریزی زبان میں رکھے گئے ہیں۔

ہماری قوم انگریزی تلفظ اور ادائیگی کے عشق میں مبتلا ہوتی جارہی ہے، انگریزی کے ساتھ ساتھ اگر اُردو کو بھی انگریزی کے لہجے میں ادا کریں گے، تو پھر آپ کے 'ماڈرن' ہونے پر شاید ہی کوئی شک کا اظہار کرے۔ چند منٹ اگر بعض نئے ریڈیو چینلز کو توجہ سے سنا جائے تو ایسی عجیب وغریب اُردو زبان سے آپ کا واسطہ پڑے گا جس کا کم وبیش ہر دوسرا جملہ چند ایک انگریزی الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر انگریزی الفاظ کو اُردو ترکیب میں بیان کرنے کے بعد، مسلسل انگریزی میں بولتے چلے جانا اب علمی مکالمہ کی پہچان بن چکا ہے۔ میں اپنے ایک ملنے والے کا حوالہ دینا پسند کروں گا جو میٹرک کے امتحان میں چار دفعہ ناکام ہونے کے بعد کسی طریقے سے انگلینڈ جانے میں کامیاب ہوگئے، وہاں کافی عرصہ تک ایک ہوٹل میں برتن مانجھتے رہے، بعد میں 'ترقی' کی منازل طے کرتے کرتے بالآخر ٹیکسی ڈرائیور کے 'عہدۂ جلیلہ' پر فائز ہوگئے۔ کچھ عرصے کے بعد وطن واپس تشریف لائے، زبان سکیڑ سکیڑ کر اور لہجہ بنا بنا کر جب

www.KitaboSunnat.com

انگریزی میں گفتگو فرماتے تو مجلس میں موجود ہر شخص حسرت ویاس سے ان کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا اور دل ہی دل میں انگریزوں کا ممنونِ کرم بھی ہوتا کہ ان کے درمیان رہ کر پاکستان کا ایک ادنیٰ سا فرزند اس 'علمی کمال' اور لیاقت کے درجے پر فائز ہو گیا ہے۔ اور تو اور اچھے خاصے پڑھے لکھے حضرات اس سے مرعوب تھے۔

ہمارے ہاں انگریزی بول لینے کو ہی علم کی معراج سمجھا جانے لگا ہے اور ایک جاہل اور عالم فاضل کے درمیاں حدِ فاصل بھی انگریزی زبان ہی رہ گئی ہے۔ آپ ایم اے کرلیں تو کیا ہوا، جب تک انگریزی زبان میں قدرت حاصل نہیں ہوگی تو 'پڑھے لکھے جاہل' ہی رہیں گے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ذرا آپ گفتگو میں شستہ اُردو کی تراکیب، کچھ محاورات کا استعمال کریں گے، تو سننے والوں کا ذوقِ سماعت اور نازک طبعی اس کو برداشت نہیں کر سکے گی، فوراً ہی آپ پر 'مشکل گوئی' کا الزام لگا کر آپ کی ثقیل اُردو سننے سے معذرت طلب کی جائے گی، اگر خیر سے کہیں آپ انگریزی زبان کے کچھ رٹے رٹائے خوبصورت جملے گفتگو میں لے آئیں، تو آپ کی بات بے حد خشوع وخضوع سے نہ صرف سنی جائے گی بلکہ آپ کو انگریزی کا عالم بھی سمجھا جانے لگے گا۔ طبقہ اشراف کا یہ لسانی شغف ہمارے قومی وقار کے ماتھے پر بدنما داغ بن چکا ہے۔

لباس کے معاملے میں ہماری غلامی کا سفر افلاک کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔ قومی لباس سے حقارت آمیز برتاؤ اور مغربی آقاؤں کے لباس کو باعثِ فخر ومباہات سمجھنے کا معاملہ ہماری قومی اقدار کا مستقل حصہ بن چکا ہے۔ اس معاملے میں ہمیں قائداعظم کے طرزِ عمل کی پیروی کا بھی ہرگز خیال نہیں ہے۔ قائداعظم سے زیادہ فرنگی تہذیب کو قریب سے دیکھنے اور پھر اسے برتنے کا دعویٰ اور کسے ہوسکتا ہے۔ لیکن برطانوی استعمار سے آزادی حاصل کرنے کے بعد آپ نے ۷۰ برس تک استعمال کیا جانے والا فرنگی لباس ترک کر کے مستقل طور پر قومی لباس زیب تن فرمایا اور اس طرح تہذیبی طور پر اپنے 'آزاد' ہونے کا عملی ثبوت فراہم کیا۔ لیکن آج ہمیں اس طرح کے آزادی کے مظاہرے میں شخصی توہین اور وقار میں کمی دکھائی دیتی ہے۔

کچھ عرصہ پہلے لاہور کے ایک وکیل صاحب، جنہیں عدالتِ عالیہ میں مختلف اُمور کے

www.KitaboSunnat.com

متعلق رٹ پٹیشن داخل کرنے سے خاص شغف ہے، نے ہائی کورٹ میں رٹ پٹیشن دائر کی کہ عدالتِ عالیہ کے فاضل جج صاحبان کے لئے سیاہ شیروانی اور شلوار قمیص کی بجائے کوٹ پتلون، ٹائی کے علاوہ سر پر خاص برطانوی دور کا لباس پہننا ضروری قرار دیا جائے۔ کیونکہ اس طرح جج صاحبان زیادہ 'باوقار' نظر آئیں گے۔ سپریم کورٹ کے ایک سابق چیف جسٹس صاحب کا اخباری بیان نگاہ سے گزرا جس میں انہوں نے اعلیٰ عدالتوں کے جج صاحبان کے لئے برطانوی دور کے لباس کے دوبارہ اِحیا کی ضرورت پر زور دیا تھا۔

میلسی ایک سول جج کے حوالے سے خبر نگاہ سے گذری جس میں انہوں نے ایک وکیل صاحب کو شلوار قمیص پر 'ٹائی' لگا کر حاضر ہونے کا حکم صادر فرمایا۔ (۱۳؍فروری ۱۹۹۸ء)

بے حد تعجب کی بات ہے کہ جس لباس میں قائداعظم کو کبھی الجھن محسوس نہ ہوئی، آج ہم اسے پہننے میں 'ہتک' محسوس کرتے ہیں۔ پنجاب اسمبلی کی کاروائی کے دوران راقم الحروف کو قومی ومقامی لباس کی توہین کے دلخراش مناظر دیکھنے کو ملے۔ لودھراں سے تعلق رکھنے والے ایک رکن اسمبلی جو ہمیشہ چادر اور پگڑی پہن کر ایوان کی کاروائی میں حصہ لیتے، وہ جونہی ایوان میں داخل ہوتے تو ارکانِ اسمبلی اور گیلری میں بیٹھے صحافی اور سرکاری افسران ان کے لباس کے حوالے سے پھبتیاں کستے اور ان کے متعلق توہین آمیز جملے اُچھالتے، وہ ان کے ٹھٹھا مخول کا مرکز بنے رہتے۔ پنجاب اسمبلی کے اسی ایوان میں ۵۰ برس تک نائب قاصد اور بیرے شیروانی اور لمبی پگڑی پہن کر 'ڈیوٹی' دیتے رہے ہیں۔ انگریزوں نے 'پنجاب کی پگڑی' کی توہین کرنے کے لئے اسے چھوٹے درجے کے ملازمین کے سروں پر رکھوا دیا تھا۔ سنا ہے حال ہی میں بعض اراکین کے احتجاج کے نتیجے میں اس قومی فرد گذاشت کی تلافی کر دی گئی ہے۔ کوٹ پتلون میں ملبوس ایک شخص کو دیکھتے ہی لوگ اسے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور معزز شخص سمجھنے لگتے ہیں چاہے وہ جاہل مطلق اور عام درجے کا آدمی کیوں نہ ہو۔

ہمارے بچے ہمارے روشن مستقبل کے امین ہیں۔ قومی اقدار، قومی ثقافت اور قومی لباس سے محبت پیدا کرنے کی بجائے ہم ان کے اندر اپنے قومی ورثے کے خلاف نفرت کے

www.KitaboSunnat.com

جذبات پیدا کر رہے ہیں۔ ہمارے پبلک سکولوں میں بچوں پر پابندی ہے کہ وہ ہر صورت میں غیر ملکی 'یونیفارم' پہن کر آئیں۔ بچوں کے 'ریڈی میڈ' ملبوسات تیار کرنے والی فیکٹریاں صرف پتلون اور شرٹ بناتی ہیں۔ مائیں اپنے بچوں کو مقامی لباس میں دیکھنا پسند نہیں کرتیں۔ بچوں کو بتایا جاتا ہے کہ وہ پتلون شرٹ میں زیادہ 'سمارٹ' لگتے ہیں۔ شروع ہی سے قومی لباس کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت پیدا کی جاتی ہے۔

قارئین کرام! یہ تو ہماری بدلتی ہوئی سماجی اقدار اور تہذیبی بیگانگی کے چند نمونے ہیں ورنہ تو ہماری ثقافت اور تہذیب ومعاشرت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں اس طرح کی مثالیں تلاش نہ کی جاسکیں۔ ذرا غور فرمایئے، اس کے اسباب کیا ہیں؟ آخر ہم سیاسی آزادی مل جانے کے بعد بھی اپنے آپ کو یورپ کی تہذیب کی اس مہمل تقلید کا مکلّف کیوں سمجھتے ہیں؟ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے تہذیبی تشخص سے محروم کرکے ہمیں 'کلون' بننے پر یوں مجبور کر دیا ہے کہ ہمیں اپنا چہرہ ہی بیگانہ لگتا ہے۔ کیا ہم نے کبھی غور کیا ہے کہ ہم جس فکری وتہذیبی غلامی کا شکار ہیں، وہ بالآخر ہمیں سیاسی آزادی کے ثمرات سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دے گی۔ وہ قوم جو انگریز کے سیاسی استعمار کے خلاف سینہ سپر ہوگئی تھی، آج مغرب کی ثقافتی آمریت اور تہذیبی تسلط کو خوش دلی سے کیونکر قبول کئے ہوئے ہے۔ یہ سوال غور طلب ہے!!

۱۱ر ستمبر کے بعد امریکہ اور یورپ سے پاکستانی خاندانوں کی اچھی خاصی تعداد 'وطن مالوف' کی طرف مراجعت پر مجبور ہوگئی ہے۔ یہ افرنگ زدہ گھرانے تہذیب کے 'وائرس' کو بھی ساتھ لے آئے ہیں جس سے لاہور جیسے شہر میں تمدنی نقالی کی وبا پھوٹنے کا خطرہ محسوس کیا جارہا ہے۔ ان خاندانوں کی صاحبزادیاں جو یورپ میں عادتاً جینز اور مغربی لباس میں ملبوس رہتی تھیں، پاکستان آنے کے بعد اسی لباس سے چمٹی ہوئی ہیں۔ لاہور کے جدید تعلیمی اداروں، پارکوں اور فیشن ایبل بازاروں میں ان افرنگ مآب صاحبزادیوں کی آزادانہ نقل وحرکت نے جدت پسند لاہوری خاندانوں کی لڑکیوں میں ثقافتی بیبا کی کے رجحان کی مزید حوصلہ افزائی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ ڈیڑھ سال کے دوران لاہور میں لڑکیوں میں جینز پہننے کا جنون وبا

www.KitaboSunnat.com

بن کر پھیلا ہے۔ ہماری طالبات اور جواں سال خواتین جینز پہننے کو فیشن اور جدیدیت کا سمبل سمجھنا شروع ہوگئی ہیں۔ ایسی ہوا چلی ہے کہ اچھے خاصے گھر بھی اس سے محفوظ نہیں رہے۔

لاہور جیسے شہروں میں ثقافتی لبرل ازم کے نام پر لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان فاسقانہ ارتباط کو فروغ دینے کے لئے شرمناک مظاہر بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے تجارتی مفادات کے حصول کی خاطر لاہور کی معروف شاہراہوں پر نئے سٹائل کے ایسے ایسے اشتہارات (Bill Boards) کو متعارف کرایا ہے کہ جنہیں دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ انسان لندن یا پیرس کی کسی شاہراہ سے گزر رہا ہے۔ ان اشتہارات میں لڑکے اور لڑکیوں کی باہمی قربتوں کے ایسے ایسے مناظر دکھائے جارہے ہیں جس کا ہماری ثقافت اور تہذیب سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ گذشتہ دنوں میں اس کے خلاف ردّعمل بھی سامنے آیا۔ بعض اشتہارات پر سیاہی پھینکنے کے واقعات بھی ہوئے۔ ہمارے لبرل دانشوروں نے اسے عورت کی توہین پر مبنی رویہ قرار دیا۔ ان اشتہارات میں عورت کے تقدس کی جس انداز میں تذلیل کی گئی تھی، اس کے خلاف وہ کبھی احتجاج نہیں کرتے۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ذرائع ابلاغ کے بعد پاکستان کے بڑے شہروں کی شاہرات کو مغرب کے تہذیبی لبرل ازم کو فروغ دینے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔

علامہ اقبال نے ۱۹۳۱ء میں خواجہ ناظم الدین تونسوی کو خط میں تحریر کیا تھا کہ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ 'اسلام کے تحفظ کا مسئلہ' ہے۔ یہ مسئلہ آج زیادہ شدت کے ساتھ ہمارے سامنے ہے۔ امریکہ اور یورپی ممالک نے افغانستان اور عراق کو تاراج کرنے پر اکتفا ہی نہیں کیا، انہیں تہذیبی طور پر تباہ کرنے کی منصوبہ بندی بھی مکمل کرلی ہے۔ ڈیزی کٹر بموں سے تباہ شدہ یہ ممالک تہذیبی یلغار کا شکار ہیں۔ آج اسلام ہی نہیں، اسلامی تہذیب اپنے وجود و بقا کی کشمکش سے دوچار ہے۔ افسوس آج ہم میں نہ کوئی اقبال ہے، نہ جمال الدین افغانی جو ہمیں ان خطرات کا احساس دلائے۔ ہمارا حکمران طبقہ حادثتاً مذہبی ہونے کے باوجود عملاً مغربی ہے۔ ہمارے ذرائع ابلاغ آج بھی امریکی معاشرہ کی 'برتری'، وہاں کی 'آزادی' اور 'نسل

www.KitaboSunnat.com

آدم کے وقار کے ترانے ہمارے نوجوان نسل کے خام ذہنوں میں اُنڈیل رہے ہیں۔ یہ سب مظاہرے ہمارے اندر غلامی کے جذبات کی پختگی کی علامت ہیں۔ہم ثقافتی استعماریت کے بدترین دور سے گزر رہے ہیں۔

ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اورنوجوان امریکہ اوراس کے استعماری کلچر کے خلاف اس قدر بھی نفرت کے جذبات نہیں رکھتے، جتنا ہمارے ہاں کا مزدور طبقہ صنعت کار کے خلاف رکھتا ہے۔ان کی نفرت کا اگر کوئی مستحق ہے تو وہ اسلام پسند ہیں۔

۱۹۴۷ء میں ہم سیاسی طور پر آزاد ہوگئے تھے،مگر ہم نے مغرب کی فکری محکومی کو ترقی کا شاندار اُصول سمجھ کر گلے سے لگائے رکھا۔آج ہم ایک دفعہ پھر 'سیاسی غلامی' کا طوق خوشی سے پہن چکے ہیں۔فکری محکومی کا تسلسل بالآخر سیاسی غلامی پر منتج ہوتا نظر آتا ہے۔اگر ہم سیاسی طور پر آزاد رہنے کے خواہش مند ہیں تو سب سے پہلے ہمیں ذہنی غلامی کا طوق اُتار کر پھینکنا ہوگا۔

[محمد عطاء اللہ صدیقی]

بلاتبصرہ

''پسماندہ اسلام ملکی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے،کسی نے داڑھی رکھی ہے تو بسم اللہ۔ مجھے نہ کہو کہ میں داڑھی رکھوں، میں داڑھی نہیں رکھنا چاہتا۔فلمی پوسٹر، میوزک، داڑھی نہ رکھنا، خواتین کا برقعہ نہ پہننا، شلوار قمیص، پینٹ اور ایل ایف او چھوٹے معاملات ہیں، انہیں ایشو نہ بنائیں۔ یہ چھوٹی سوچ اور چھوٹے ذہن کی بات ہے۔ پاکستان کو بڑے چیلنج درپیش ہیں!!

ایشو یہ ہے کہ ملک میں کون سا نظام ہونا چاہئے؟ ہمیں تہذیب یافتہ اور جدید اسلام چاہئے۔ پاکستانی معاشرے میں طالبان طرز کے اسلام کی کوئی جگہ نہیں۔ ایسے اسلام سے سارے منصوبے دھرے رہ جائیں گے۔ میں پوچھتا ہوں کیا یہ غیر اسلامی ملک ہے؟ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے مگر ہمیں ایسا اسلام نہیں چاہئے جو معاشرے کو پسماندہ رکھے۔ ہم ترقی پسند اسلام کے حق میں ہیں۔ فیصلہ کریں طالبان والا اسلام چاہئے یا ترقی پسند؟ ہمیں عالمی سطح پر دہشت گرد قرار دیا جارہا ہے۔علما ہوش مندی سے کام لیں۔ قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کا تصور ترقی پسند پاکستان تھا، مذہبی ریاست نہیں۔ نفاذِ اسلام کے لئے لوگوں کے ذہنوں اور دلوں کو تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ پوری قوم برداشت والا کلچر چاہتی ہے۔اسلام میں سب کے حقوق محفوظ ہیں۔اس کی قدر کو سمجھیں۔'' (صدر پرویز مشرف کا خطاب از روزنامہ 'نوائے وقت' ۱۱/جون ۲۰۰۳ء)

www.KitaboSunnat.com

اُصولِ تفسیر

شیخ التفسیر مولانا محمد عبدہٗ الفلاحؒ
صاحبِ اشرف الحواشی

قرآن فہمی کے بنیادی اُصول☆ اور لغتِ عرب

قرآنِ پاک نوعِ انسانی کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے اس کی وسعت اور ہمہ گیری کا یہ عالم ہے کہ ہر دور میں زندگی کے ہر شعبے میں انسانی عقل وفکر کے لئے رہنما بن سکتا ہے۔ قرآنی مضامین میں اس قدر جامعیت موجود ہے کہ ہر مکتبِ فکر کا آدمی اپنی تسکین کے لئے اس سے مواد حاصل کرسکتا ہے۔

قرآن کے وسیع مفاہیم کی تعبیر عربی زبان کے ذریعے ہی ممکن ہے!

اس کے مضامین کی وسعت اور ہمہ گیری کا تقاضا یہ تھا کہ اسے ایسی زبان میں نازل کیا جائے جو اس وسعت کی متحمل ہوسکے اور اعجازِ بیان کو اپنے اندر سما سکے۔

یہ محض اِدّعا ہی نہیں، بلکہ حقیقت ہے کہ اس قسم کی وسعت صرف عربی زبان میں پائی جاتی ہے۔ فصاحت و بلاغت کے جو زاویے اس میں ہیں، دیگر سامی اور ایریائی زبانوں کا دامن ان سے یکسر خالی ہے۔ اشتقاقات اور مترادفات کی جو فراوانی عربی زبان میں پائی جاتی ہے، کسی دوسری زبان میں نہیں ملتی۔ لفظی اور معنوی خوبیوں کے لحاظ سے عربی زبان ہی

☆ 'فہم قرآن کے بنیادی اُصول' کے نام سے مولانا عبدہ الفلاح کا ایک وقیع علمی مضمون اس سے قبل محدث کے اگست ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں شائع ہوچکا ہے۔ وہ مضمون موجودہ مقالہ کے بعد لکھا گیا ہے اور اس میں بعض چیزیں اس سے زیادہ اور مکمل صورت میں موجود ہیں، لیکن چند مباحث اس مقالہ میں ایسے ہیں جو اس مضمون میں شائع نہیں ہوسکے بالخصوص 'لغتِ عرب' پر آخری ۵ صفحات اُس مضمون میں سرے سے نہیں ہیں۔

'قرآن فہمی کے بنیادی اُصول' کے عنوان سے ماہنامہ محدث میں اس سلسلے میں شائع ہونے والے ۱۶، ۱۷ اہم مضامین پر مشتمل ایک مستقل کتاب بھی ادارۂ محدث کے زیر اہتمام ان دنوں زیر طبع ہے، جس میں اسی موضوع پر بعض اہم مقالات کو بھی دیگر کتب وجرائد سے حاصل کیا گیا ہے۔ شائقین اُسے طلب کرسکتے ہیں۔ (ح م)

www.KitaboSunnat.com

متجمّع محاسن ہے۔حتیٰ کہ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں کہ ؎

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں جس قدر ضخیم قوامیس اور معجمات لکھے گئے ہیں، دوسری زبانوں میں ان کا عشر عشیر بھی نہیں ملتا۔ان معجمات کو دیکھنے سے عربی زبان کی فراخ دامانی اور جامعیت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

'صحاحِ جوہر' کو لیجئے وہ چالیس ہزار مواد (Roots) پر مشتمل ہے۔

'قاموس فیروز آبادی' (متوفی ۸۱۶ھ) میں ساٹھ ہزار مواد مذکور ہیں.....اسی طرح 'لسان العرب' میں منظور افریقی (متوفی ۷۱۱ھ) نے اَسّی ہزار مواد سے بحث کی ہے۔

آخر میں 'تاج العروس' کو ملاحظہ فرمایئے جس میں سید محمد مرتضیٰ زبیدی (متوفی ۱۲۰۵ھ) نے اپنے تتبع سے ایک لاکھ بیس ہزار مواد جمع کردیے ہیں۔

ان تصریحات کے پیش نظر ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ قرآن پاک ایسی جامع اور ہمہ گیر کتاب کو، جو اَبدی اور ناقابل انکار حقائق پر مشتمل ہے، عربی زبان میں ہی نازل ہونا چاہئے تھا اور یہی زبان اس کے لئے موزوں[1] تھی۔یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اپنے متعلق بار بار بزبانِ عربی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔قرآن کا اُسلوبِ بیان نہایت درجہ 'سہل ممتنع' ہے، اس کے مضامین ومطالب اس قدر صاف اور واضح ہیں کہ اس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں۔

چنانچہ آیات نمبر: ۱/۸،۱۳/۳۷،۱۲/۲،۴۲/۳،۲۶/۹۵ وغیرہ میں قرآن نے خود عربی ہونے کا دعویٰ کیا جس کے معنی ہیں واضح اور صاف کیونکہ لفظ ع رب میں اظہار اور وضاحت کے معنی پائے جاتے ہیں۔

تفسیر قرآن کے لئے عربی زبان جاننا ہی کافی نہیں!

بلاشبہ قرآنِ پاک عربی زبان میں نازل ہوا اور عرب اہلِ زبان ہونے کی وجہ سے عام طور پر اس کے مطالب و معانی کا ادراک بآسانی کرلیا کرتے تھے۔ بلکہ قرآن کے اُسلوبِ بیان سے محظوظ ہوتے اور الفاظ کی بندش اور ان کے محتویات ہی سے متاثر ہوکر اس کی صداقت

www.KitaboSunnat.com

کے قائل ہوجاتے، مگر عربوں کی مادری زبان میں نازل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہر آیت کے مفہوم کا کماحقہٗ اِدراک کر لیتے تھے اور ان کے سامنے قرآن کی تشریحات کی ضرورت نہ تھی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت باقاعدہ طور پر آں حضرت ﷺ یا اپنے ہم طبقہ علما سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتی رہی۔ ان کا معمول تھا کہ دس آیات پڑھنے کے بعد جب تک ان کے مطالب پوری طرح ذہن نشین نہ کر پاتے اور عملی طور پر انہیں اپنا نہ لیتے، اس سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۳)۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے پورے دس سال کے عرصہ میں سورۃ البقرۃ پڑھی اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے ۸ سال میں یہ سورۃ ختم کی۔ ظاہر ہے کہ یہ محض نظم قرآن کی قراءت یا تجوید نہ تھی، بلکہ اس کے مطالب کا ادراک اور اس پر عمل بھی اس میں شامل تھا۔ (المسویٰ شرح مؤطا: ۲/۳۱۳)

اسی طرح آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی جماعت تیار ہوگئی جنہوں نے درسِ قرآن کا سلسلہ جاری رکھا، ان میں سے عبداللہ بن مسعودؓ (متوفی ۳۲ھ)، عبداللہ بن عباسؓ (متوفی ۶۸ھ)، اُبی بن کعبؓ (متوفی ۳۰ھ) اور زید بن ثابتؓ (متوفی ۴۱ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور تفسیری سلسلۂ سند بھی زیادہ تر اِنہی پر منتہی ہوتا ہے۔ ان صحابہؓ سے تابعین کی ایک جماعت نے تفسیر قرآن کا علم حاصل کیا۔ حتیٰ کہ دورِ تدوین تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس طرح تفسیر قرآن کا معتدبہ حصہ ہم تک بذریعہ روایت پہنچا۔

تفسیر قرآن کے لئے ۴ بنیادی اُمور

اس بنا پر علماے قرآن نے غور وفکر اور استقراے تامّ کے بعد قرآن فہمی کے لئے چار اُمور ضروری قرار دیئے۔ جن سے بے نیاز ہوکر قرآن کی تفسیر کی جائے تو وہ تفسیر بالرائے ہوگی جس کی حدیث میں مذمت آئی ہے، وہ چار اُمور حسبِ ذیل ہیں:

1. قرآنِ کریم کی تفسیر، قرآن ہی سے تلاش کی جائے، کیونکہ قرآن نے اگر ایک مقام پر اِجمال سے کام لیا ہے تو دوسرے مقام پر خود ہی اس کی تفصیل فرما دی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ اپنے 'مقدمۃ التفسیر' میں رقم طراز ہیں:

www.KitaboSunnat.com

''اگر ہم سے پوچھا جائے کہ قرآن فہمی کا سب سے بہتر طریق کیا ہے؟ تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ قرآن کو قرآن ہی سے سمجھا جائے۔'' (ابن کثیرؒ: ۳/۱)

اسی لئے علما نے کہا ہے:

القرآن یُفسّر بعضه بعضا یعنی ''قرآن اپنی تفسیر خود کرتا ہے۔''

چنانچہ اس قسم کی تکرار کو جو مطالب کی وضاحت کے پیش نظر کی گئی ہے۔ قرآن نے 'تفصیل وتصریفِ آیات' سے تعبیر فرمایا ہے۔

❷ اس کے بعد دوسرا درجہ سنت کا ہے۔ علما نے سنت کو قرآن کا شارح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''اگر قرآن کی تفسیر قرآن سے نہ ملے تو سنت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، کیونکہ سنت قرآن کی شارح ہے، بلکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جو فیصلہ بھی صادر فرمایا ہے وہ قرآن ہی سے سمجھ کر صادر فرمایا ہے۔''

اس سلسلہ میں امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ نے جو تفصیلات درج کی ہیں یہاں پر ان کے بیان کی ضرورت نہیں[۲]۔ اس اصل کے تحت آیاتِ احکام کا پورا حصہ آجاتا ہے اور جو اصطلاحی الفاظ احکامِ فقہیہ پر مشتمل ہیں، ان کی تشریح کے لئے تو سنت سے بے نیاز ہونا ناممکن ہے۔ چنانچہ علامہ طبریؒ اپنی تفسیر 'جامع البیان' میں لکھتے ہیں:

''جہاں تک قرآن کے احکام کا تعلق ہے وہ سنت کی روشنی میں ہی سمجھے جاسکتے ہیں، لہٰذا قرآن کے لئے سنت کی طرف رجوع ناگزیر ہے۔'' (تفسیر طبری: ۳۳/۱)

☜ موجودہ دور کے بعض نام نہاد مفسرینِ قرآن، جو سنت کی حجیت سے منکر ہیں اس اصل کو یہ کہہ کر ردّ کردیتے ہیں کہ تفسیری روایات عموماً ضعیف یا موضوع ہیں اور اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبلؒ کا قول پیش کیا جاتا ہے:

ثلاثة ليس لها أصل: التفسير والملاحم والمغازي (الاتقان: ۲۱۰/۳)

''تین قسم کی روایات بے اصل ہیں: تفسیر، ملاحم اور مغازی.....''

یہ ایک مغالطہ ہے جو عوام کو کتبِ تفسیر اور حدیث سے بدظن کرنے کے لئے پیش کیا جاتا

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ ورنہ اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو ان لوگوں نے بیان کیا ہے، بلکہ تفسیری روایات یا احادیث کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ایک حصہ وہ ہے جسے علما نے احکام فقہیہ کا منبع قرار دیا ہے اور اس پر اَحکام قرآن کے نام سے تفسیریں بھی مدوّن کی ہیں۔ ان روایات کی صحت اور صداقت کے نہ تو امام احمد بن حنبلؒ منکر ہیں اور نہ کوئی دوسرا امام ان کو بے اصل کہتا ہے، بلکہ محدثینِ کرامؒ نے پوری چھان بین اور اطمینان کے بعد ایسی روایات کو مستقل تصنیفات میں جمع کردیا ہے۔ پھر اُمتِ مسلمہ کے تعامل نے ان پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے اور علما نے سنت کے اس حصہ کو قرآن کا شارح تسلیم کیا ہے۔

دوسرا حصہ تفسیری روایات کا وہ ہے جو اَحکام سے متعلق نہیں، بلکہ اس میں اسرائیلیات اور ضعیف روایات بھی شامل ہیں، اس قسم کی تفسیری روایات بے شک کتبِ تفسیر میں جمع کردی گئی ہیں، مگر محققین نے کبھی بھی ان پر اعتماد نہیں کیا اور نہ ہی فہم قرآن کے لئے انہیں اصل قرار دیا ہے۔ مفسرین نے ان روایات کو اصل تفسیر کی حیثیت سے پیش نہیں کیا، بلکہ کسی آیت کے معنی سے ادنیٰ مناسبت کی بنا پر انہیں جمع کردیا ہے۔ (ملاحظہ ہو 'الفوز الکبیر': ص۴۴)

لہٰذا یہ بات قابل اعتراض نہیں۔ یہی حال سببِ نزول یا شانِ نزول کا ہے۔ کتبِ تفسیر میں جن آیات کے تحت ان کا شانِ نزول مذکور ہے گو شانِ نزول کے علم سے آیات کے پس منظر پر روشنی پڑتی ہے، تاہم علماے تفسیر نے صرف شانِ نزول کی بنا پر کسی آیت کا قطعی مفہوم متعین نہیں کیا اور نہ ہی کبھی اس کے قائل ہوئے ہیں۔ چنانچہ علمائے اُصول لکھتے ہیں کہ

''تفسیر قرآن میں مفہوم کو پیش نظر رکھا جائے گا، اس کے اسبابِ نزول کا اعتبار نہیں ہوگا''

چنانچہ صحابہ کرامؓ نے پیش آمدہ مسائل کے لئے ہمیشہ آیات کے عموم سے استدلال کیا، خواہ ان آیات کے اسبابِ نزول کچھ بھی ہوں۔'' (ملاحظہ ہو الاتقان: ۱/ص۲۸، ۳۵)

اسی طرح علامہ زرکشیؒ 'البرہان فی علوم القرآن' میں لکھتے ہیں:

''صحابہؓ اور تابعینؒ میں سے جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ آیت سے اس نوع حکم پر بھی استدلال ہوسکتا ہے۔'' (۱۲۶/۱)

www.KitaboSunnat.com

ان تصریحات سے واضح ہے کہ مفسرین نے اسرائیلیات یا اسبابِ نزول کی روشنی میں آیات کے مطالب و معانی متعین نہیں کئے، بلکہ کسی حد تک آیات کے ساتھ مناسبت کے پیش نظر ان کا ذکر کر دیا ہے[۳] اور محققین علما نے ان احادیث اور اسبابِ نزول کو کبھی بھی وہ حیثیت نہیں دی جس پر انہیں موردِ الزام قرار دیا جا رہا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ تفاسیر کو منقّح کرنے کی ضرورت ہے تاکہ تفسیر قرآن میں جو جمود سا پیدا ہو چکا ہے وہ ختم ہو جائے اور اعلیٰ علمی سطح پر کتابِ الٰہی کے تقاضوں کے مطابق قرآن فہمی کا رجحان پیدا ہو۔

۳ کتاب وسنت کے بعد اقوالِ صحابہؓ کا درجہ ہے۔ صحابہ کرامؓ نزولِ قرآن کے زمانہ میں موجود تھے جس ماحول میں قرآن نازل ہو رہا تھا، اس کے اندرونی اور بیرونی اثرات ان کے سامنے تھے، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''جب کتاب وسنت سے کسی آیت کی صحیح تفسیر معلوم نہ ہو سکے تو اقوالِ صحابہؓ کی طرف رجوع کیا جائے، کیونکہ صحابہ کرامؓ قرائن واحوال کے مشاہدہ کی بنا پر ہم سے زیادہ قرآن سمجھتے تھے، انہیں اللہ تعالیٰ نے عقل وفہم صحیح اور عمل صالح سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔''

(تفسیر ابن کثیر: ۱/۳، ۱۲)

۴ اگر کسی آیت کے مفہوم پر اقوال صحابہؓ سے بھی روشنی نہ پڑتی ہو، یا ان کے اقوال باہم مختلف ہوں تو اوّلاً قرآن وسنت کی زبان اور پھر عام لغتِ عرب کے محاورات کی طرف رجوع ہوگا اور مفرداتِ قرآن کو سمجھنے کے لئے کتبِ لغت سے مدد لی جائے گی۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

الشعر ديوان العرب فاذا تعاجم علينا شيئ من القرآن رجعنا إليه[۴]

'' شعر کو دیوانِ عرب کی حیثیت حاصل ہے جب قرآن کا کوئی مقام سمجھنے میں دقت پیش آئے گی تو ہم اس کی طرف رجوع کریں گے۔''

تفسیر قرآن میں لغتِ عرب سے استفادہ پر لکھی گئی کتب

مگر غریب القرآن کا کتبِ لغت سے حل تلاش کرتے وقت مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

www.KitaboSunnat.com

① علماءِ لغت نے اپنی کتابوں میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ بہرحال تتبع اور استقرا کے بعد کیا ہے، بایں وجہ ان کے مابین الفاظ کے مفاہیم بیان کرنے اور محاورات کے نقل کرنے میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔

② ان علما نے عام عربی زبان کو سامنے رکھ کر کتبِ لغات ترتیب دی ہیں، خصوصیت کے ساتھ قرآنی الفاظ ان کے پیش نظر نہیں تھے اور یہ ضروری نہیں کہ عام زبان میں کسی لفظ کا جو معنی مراد لیا جاتا ہے، قرآن میں بھی وہی مراد ہو۔

③ جن علما نے غریب القرآن کو پیش نظر رکھ کر الفاظ کی لغوی تشریحات لکھی ہیں وہ مختلف مسلک اور ذوق رکھتے ہیں اور انہوں نے مفردات کی تشریح کے وقت اپنے مسلک کو پیش نظر رکھا ہے، ایسے لوگ متکلمین میں بھی ہوگذرے ہیں اور فقہا میں بھی، لہٰذا ان تفاسیر یا کتبِ لغت کا مطالعہ کرتے وقت مؤلف کے ذہن اور مسلک کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس بنا پر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ 'الفوز الکبیر' میں لکھتے ہیں:

''انصاف پسند مفسر کا فرض ہے کہ شرح الغریب کی دو مرتبہ جانچ پڑتال کرے اور موارد استعمال پر نظر ڈالے اور پھر یہ دیکھے کہ آیت کے سیاق وسباق اور اس جملہ کے باقی اجزاء کی مناسبت سے کون سا معنی اقوی اور ادنیٰ ہے پھر سیاق وسباق کے لحاظ سے جو معنی انسب نظر آئے، اسے اختیار کرلینا چاہئے۔ (الفوز الکبیر: ص۴۶)

④ تتبعِ لغت سے مفرداتِ قرآن کا جو مفہوم بھی متعین کیا جائے گا وہ مفہوم بہرحال اجتہادی ہوگا جس میں اختلاف کی گنجائش ہوسکتی ہے، اس لئے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

فهٰهنا أيضا مدخل للعقل وسعة للاختلاف لأن الكلمة الواحدة تجيئ في لغة العرب لمعان شتى

''لہٰذا شرحِ غریب میں عقل دخیل ہوتی ہے اور اختلاف کی گنجائش پائی جاتی ہے، کیونکہ عربی زبان میں ایک ہی لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔''

⑤ کتبِ لغت کے تتبع سے مفرداتِ قرآن کا صرف لغوی حل تو مل سکتا ہے، مگر ان سے یہ رہنمائی نہیں مل سکتی کہ اس لفظ سے قرآن کون سا تصور پیش کرنا چاہتا ہے اور اس کے

www.KitaboSunnat.com

محتویات کیا ہیں، چنانچہ علامہ طبریؒ اپنی تفسیر 'جامع البیان' میں لکھتے ہیں:

''الفاظِ قرآنی کے معانی معلوم کرنے کے لئے تو کتبِ لغت کی طرف رجوع کیا جائے گا، مگر آیات کے مفہوم کا پتہ چلانے کے لئے کتبِ لغت کی بجائے وحی الٰہی اور سنتِ نبویؐ سے راہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے جس کی طرف قرآن کریم نے ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ﴾ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے۔ مثلاً کسی اہل زبان (عرب) کے سامنے جب یہ آیۂ کریمہ ﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ لاَ تُفْسِدُوْا فِي الاَرْضِ قَالُوْا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾ تلاوت کی جائے تو جس حد تک لفظ 'فساد' اور 'اصلاح' کے لغوی معانی کا تعلق ہے، اسے وہ خوب سمجھ سکتا ہے مگر وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ کون سے اُمور موجبِ اصلاح ہیں، اور کون سے موجبِ فساد؟ یہ بات تو وہی بتا سکتا ہے جس پر قرآن نازل ہوا ہے۔'' (ماخوذ از تفسیر طبری: ج ۱ ص ۳۳، ۳۴)

مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہے کہ کتبِ لغت سے الفاظ کے موارِدِ استعمال کے تتبع سے کسی حد تک مفردات کے حل میں تو مدد مل سکتی ہے، مگر یہ ایسا ذریعہ نہیں ہے کہ تفسیر کے دوسرے سرچشموں سے صرفِ نظر کر کے محض اسی کو مدار قرار دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ مفسرین نے اپنی تفسیروں میں اس عنصر سے فی الجملہ استفادہ کیا ہے۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ چنانچہ تفسیر طبری، الکشاف للزمخشری اور 'بحر محیط' لابی سفیان، جو اسی سلسلہ کی بہترین تفاسیر شمار ہوتی ہیں اور ان میں لغوی تشریحات اور شواہد کا خاصا مواد موجود ہے، انہوں نے بھی تفسیر کرتے وقت کتاب وسنت اور اقوالِ صحابہؓ کو مدنظر رکھا ہے تاہم بعض علما نے شرح الغریب کا خصوصی اعتنا بھی کیا ہے اور 'مفرداتِ راغب' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، لہٰذا تفاسیر کے اس سلسلہ کے متعلق ہم بھی کچھ عرض کریں گے۔

① غریب القرآن پر جن علما نے توجہ دی ہے، ان میں سب سے پہلے حبر الأمة حضرت ابن عباسؓ ہیں۔ چنانچہ 'غریب القرآن' کے نام سے ایک تفسیر بھی ان کی طرف منسوب ہے[۵]۔ اسی طرح 'التفسیر الاکبر' ہے جو ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہے، اس میں علی بن ابی طلحہؒ اور ابن کلبی کی روایت سے مفرداتِ قرآن کی تشریحات منقول ہے[۶]۔ چنانچہ علی بن ابی لیث کی روایت سے یہ نسخہ ابو صالح کاتب اللیث مصری کے پاس محفوظ تھا جسے وہ معاویہ بن ابی صالح

www.KitaboSunnat.com

کے واسطہ سے روایت کرتے تھے، امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اسی نسخہ پر اعتماد کیا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ نے اس کی تحسین کی ہے۔[۷]

ان تفسیروں کی نسبت حضرت ابن عباسؓ کی طرف صحیح ہو یا نہ ہو، مگر اس سے یہ اشارہ ہوتا ہے کہ وہ مفرداتِ قرآن کی تشریحات کے سلسلہ میں شعر اور کلامِ عرب سے استشہاد کرتے تھے۔

② غریب القرآن کے سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ کے بعد ابان بن ثعلب بن رباح جریری، ابوسعید اکبری مولیٰ بنی جریر بن عباد ابوامامہ (۱۴۱ھ) کا نام لیا جاتا ہے جن سے امام مسلم اور اصحابِ سنن روایت کرتے ہیں، انہوں نے بروایتِ ابوجعفر اور ابوعبداللہ 'غریب القرآن' میں ایک تفسیر مرتب کی جس میں شعرائے عرب کے کلام سے شواہد پیش کئے۔[۸]

ان کے بعد بہت سے علما نے 'معانی القرآن'، 'اعجاز القرآن' اور 'غریب القرآن' کے نام سے تفاسیر لکھیں جو کہ الفہرست از ابن ندیم، کشف الظنون از حاجی خلیفہ اور مفتاح السعادۃ میں مذکور ہے۔

جن علما نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں، ان میں سے ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء (۲۰۷ھ)، ان کے تلمیذ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن یحییٰ نیریدی (۲۶۰ھ)، ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ تیمی (۲۱۰ھ)، ابواسحٰق ابراہیم بن محمد سری زجاج (۳۱۰ھ) اور امام راغب اصفہانی ۵۰۲ھ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے مجاز القرآن، معانی القرآن اور غریب القرآن تین ناموں سے کتابیں تصنیف کیں جن میں سے 'مجاز القرآن' از ابوعبیدہ طبع ہوچکی ہے۔ یہ کتاب ترتیبِ مصحف پر ہے، مگر فراء کی 'معانی القرآن' اس سے زیادہ اہم ہے، اس لئے کہ فراء علم وعقیدہ کے اعتبار سے ابوعبیدہ سے زیادہ راسخ تھے اور انہوں نے یہ کتاب اپنے تلمیذ عمر بن بکر کی درخواست پر املا کروائی تھی۔ چنانچہ ابن ندیم الفہرسۃ ص۱۰۶ پر لکھتے ہیں:

وله من الكتب كتاب معاني القرآن ألفه لعمر بن بكير أربعة اجزاء

''فراء نے 'معانی القرآن' عمر بن بکر کے لئے تصنیف کی تھی جو چار اجزا پر مشتمل ہے''

ابن قتیبہ دینوری، اسحٰق بن راہویہ اور ابوحاتم سجستانی کے شاگرد ہیں، موصوف نے اس

www.KitaboSunnat.com

موضوع پر 'غریب القرآن' اور 'مشعل القرآن' دو کتابیں تصنیف کیں اور یہ دونوں 'القرطین' کے نام سے طبع ہوکر مصر سے شائع ہوچکی ہیں۔

امیر قنوجی (۱۳۰۷ھ) نے 'الاکسیر' میں ابن قتیبہ کو تیسرے طبقے کا ذکر کیا ہے۔ ابوعبیدالقاسم بن سلام کی 'غریب القرآن' کا تذکرہ الفہرسۃ ابن ندیم میں بھی ملتا ہے۔ نیز ابن ندیم نے لکھا ہے کہ ''موصوف نے 'معانی القرآن' کے نام سے بھی ایک تفسیر لکھی ہے۔ (الفہرست ص۱۱۲)

ابوعبدالرحمٰن یزیدی نے بھی 'غریب القرآن' کے نام سے اس موضوع پر کتاب لکھی ہے۔ (الفہرست :ص۸۸)

سمعانی 'کتاب الانساب' میں لکھتے ہیں کہ

''یزیدی کی یہ کتاب نہایت جامع ہے، علامہ قفطی نے 'الانباہ' میں اسکا تذکرہ کیا ہے۔''
(الانباہ للقفطی: ص۱۵۱ ج۲)

امام راغبؒ کی تصنیف 'مفردات القرآن' جس کے ترجمہ کی سعادت راقم الحروف نے حاصل کی ہے، تقریباً پندرہ سو اُناسی مواد پر مشتمل ہے۔ گویا قرآن کے کل مواد ۱۶۵۵ میں سے صرف ۶۶ متروک ہیں۔ مصنف نے اپنی کتاب کو حروفِ تہجی کے مطابق ترتیب دیا ہے اور ہر کلمہ کے حروفِ اصلیہ میں سے پہلے حرف کی رعایت رکھی ہے۔ طریق بیان فلسفیانہ ہے۔ یعنی اوّلاً ہر مادہ (Root) کے اصل معنی متعین کرتے ہیں۔ پھر اس اعتبار سے وہ لفظ قرآن میں جتنے مقامات پر استعمال ہوا ہے، اسے اصل معنی کی طرف لوٹاتے ہیں، تشریحِ لغت میں یہ طریق اُصولی حیثیت رکھتا ہے اور اسے اختلاف کی صورت میں کسوٹی قرار دیا جاسکتا ہے۔ پھر مصنف ہر کلمہ کی تشریحات کے سلسلہ میں ان تمام آیات کے اِحصا کی کوشش کرتے ہیں جن میں وہ کلمہ استعمال ہوا ہے تاکہ آیات کے سیاق وسباق سے صحیح مفہوم سامنے آجائے اور اس میں کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے۔

امام راغب کے بعد متاخرین نے بھی غریب القرآن پر مستقل تصانیف لکھی ہیں جن میں سے 'تحفۃ الاریب بما فی القرآن من الغریب' لابی حیان محمد بن یوسف اندلسی (۷۴۵ھ)،

www.KitaboSunnat.com

'تراجم الاعاجم' تالیف زین المشائخ محمد بن ابوالقاسم خوارزمی (۵۶۲ھ) اور 'مفردات القرآن' از شہاب الدین احمد بن یوسف المعروف بسمین حلبی (۷۵۶ھ) خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔ مگر ان سب کتابوں میں 'مفردات امام راغب' کو جو شہرت اور امتیاز حاصل ہے، وہ کسی دوسری کتاب کو نہیں، بلکہ یوں کہئے کہ باقی سب کتابیں مردہ ہوچکی ہیں اور صرف مفرداتِ راغب ہی زندہ ہے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو، فیض الخبیر علی نهج التیسیر ، بحث ترجمۃ القرآن: ص۳۲،۳۳

(۲) تفسیر ابن کثیر: ج۱/ص۳۔ نیز تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو الموافقات للشاطبی (بحث: السنة)

(۳) چنانچہ حضرت امام ولی اللہ 'الفوز الکبیر' کے صفحہ ۴۴ پر لکھتے ہیں: وقد ذكر قدماء المفسرين تلك الحاتمة بقصد الاحاطة بالآثار المناسبة للآية أو بقصد بيان ما صدق عليه العموم وليس ذكر هذا القسم من الضروريات۔ اور صفحہ ۲۵ پر فائدہ میں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والآخرى أن يعلم أن أكثر أسباب النزول لا مدخل لها فى فهم معاني الايات۔

(۴) تفسیر طبری: ص۱۷،۲۹...... مذاہب التفسیر الاسلامی از مستشرق گولڈزیہر

(۵) بروکل مین اپنی 'تاریخ' میں لکھتے ہیں کہ دوسری عالمگیر جنگ سے قبل برلن لائبریری میں اسکا نسخہ تھا۔ ۱/۲۱۷

(۶) شیخ الاسلام طارق حکمت اللہ حسینی کے مکتبہ مدینہ منورہ میں اس کا ایک نسخہ موجود تھا۔ ملاحظہ ہو مقدمہ الصحاح للجوہری، نیز ملاحظہ ہو: الفوز الکبیر ص۱۱

(۷) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الاتقان للسیوطی ص۱۸۸،۱۸۹، ج۲ ص۲۱ فتح الباری ج۱، الاکسیر المذاہب الصحاح ص۱۱۰ و مفتاح السعادۃ لطاش بری زادہ ص۱۰۴/ج، اولحادی ص۴۶/ج۲

(۸) ملاحظہ ہو المعجم الوقت ص۱۰۰۸ ج۱، السنہ ص۱۷۶۔۱۷۷، کشف الظنون ص۱۰۷ ج۷۔ فہرست کتبِ شیعہ للطوسی: ص۴ ج۱

☜ قاری محمد اسلم صاحب، گوجرانوالہ پاکستان کے مایہ ناز قرا میں شمار ہوتے ہیں۔ ملک بھر میں آپ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ کافی عرصہ سے قاری صاحب بیمار ہیں، ان دنوں مختلف عوارض کی بنا پر آپ شیخ زید ہسپتال کے میڈیکل وارڈ میں زیر علاج ہیں۔ قارئین سے محترم قاری صاحب کی صحت وعافیت کے لیے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔ (ابوالاحتشام امیر حمزہ: ناظم مدرسہ نصر الاسلام، گوجرانوالہ)

www.KitaboSunnat.com

مغربی ممالک کے مسلمانوں کے بعض روزمرہ مسائل

گذشتہ سال (اکتوبر ۲۰۰۲ء میں) امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن میں 'مجمع فقہاے شریعت، امریکہ' (Assembly of Muslim Jurists of America) کا تاسیسی اجلاس منعقد ہوا، جس میں دنیا بھر سے اہلِ علم کو دعوت دی گئی۔ پاکستان سے شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی اور مولانا ارشاد الحق اثری، فیصل آباد رکن کی حیثیت سے اس میں شامل ہوئے۔ مجمع کا مرکزی دفتر میری لینڈ میں قائم کیا گیا۔ اس اجلاس میں ایک کمیٹی تشکیل پائی جس کو ہمہ وقت شرعی سوالات کے جوابات دینے کی ذمہ داری سونپی گئی۔

اِمسال مئی ۲۰۰۳ء میں امریکہ کی ریاست کیلیفورنیا کے شہر سا کرامنٹو میں بھی ایک اہم دعوتی کانفرنس تھی، جس میں محترم حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ بھی شریک تھے۔ یہاں 'مجمع' کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر صلاح صاوی سے ملاقات ہوئی تو اُنہوں نے محترم حافظ صاحب کو کمیٹی کی طرف سے صادر شدہ چند فتوے پیش کئے۔ اِفادۂ عام کی غرض سے ان کا اُردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔ بعض جگہ حضرت حافظ صاحب کے حواشی بھی ہیں۔

غیر مسلم عدالتوں سے فیصلہ کروانا؟

سوال ۱: اگر ایک مسلمان مرد اور اس کی مسلمان بیوی کے درمیان جھگڑا ہوجائے تو کیا فریقین میں سے کسی کے لئے جائز ہے کہ مروّجہ (غیر شرعی) قوانین اور غیر مسلم عدالتوں کی طرف رجوع کرے اور اسلامی فیصلہ پر عمل نہ کرے۔ کیونکہ امریکی عدالت (طلاق کی صورت میں) عورت کو مرد کی آدھی جائیداد دلواتی ہے جبکہ اسلام اسے صرف حق مہر (بشرطیکہ پہلے ادا نہ کیا گیا ہو) اور نفقہ دلواتا ہے؟ کیا عورت اس عدالت کی طرف رجوع کرنے کی صورت میں گنہگار ہوگی؟؛ وہ اپنے خاوند سے اس طرح جو مالِ ناحق وصول کرتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

نیز غیر مسلم جج کے فیصلے کے بعد کیا کسی مسلمان عالم کے لئے جائز ہے کہ اس مرد اور عورت کے درمیان مصالحت کی بات چیت کرے؟

www.KitaboSunnat.com

جواب: جو عدالت شریعت کو چھوڑ کر انسانوں کے خود ساختہ قوانین کے مطابق فیصلے کرتی ہے، اس کے سامنے مقدمہ دائر کرنا جائز نہیں، خواہ وہ مسلمانوں کے ملک میں ہو یا غیر مسلم ملک میں؛ بشرطیکہ اس کا متبادل شرعی انتظام موجود ہو جو حق دار کو حق دلوا سکے، اور مظلوم کی داد رسی کر سکے۔ اس بارے میں قرآن و حدیث کی نصوص بہت زیادہ ہیں، اور اس پر علما کا اجماع ہو چکا ہے۔ وہ تمام دلائل جن سے اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا وجوب ظاہر ہوتا ہے، اور شریعت سے پہلو تہی کرنے والوں کا کفر و نفاق ثابت ہوتا ہے، وہ سب اس مسئلہ میں نص کا درجہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ جب شریعت کے مطابق فیصلہ کروانا ممکن ہو تو اُسے چھوڑ کر دوسری طرف متوجہ ہونا منافقت ہے، جس کے ساتھ ایمان موجود نہیں رہ سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيْدًا، وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلَى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا﴾ (النساء:۶۰،۶۱)

''کیا آپ نے وہ لوگ نہیں دیکھے جو سمجھتے ہیں کہ وہ آپ پر نازل ہونے والی (شریعت) پر، اور آپ سے پہلے نازل ہونے والی (کتابوں) پر ایمان رکھتے ہیں۔ (اس کے باوجود) چاہتے ہیں کہ 'طاغوت' سے فیصلہ کروائیں حالانکہ انہیں اس کا انکار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ شیطان انہیں دور تک گمراہ کر دینا چاہتا ہے، اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کی ہوئی (شریعت) کی طرف اور رسول کی طرف آجاؤ تو آپ دیکھتے ہیں کہ منافق آپ سے منہ پھیر کر رک جاتے ہیں۔''

مزید فرمایا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء:۶۵)

''سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ ایمان دار نہیں ہو سکتے جب تک آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ مان لیں۔ پھر جو فیصلے آپ اُن میں کر دیں، ان سے اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرماں برداری کے ساتھ (اُنہیں) قبول کر لیں۔''

www.KitaboSunnat.com

☜ جب شرعی عدالتیں تو موجود نہ ہوں لیکن حاملینِ شریعت علما سے (انفرادی سطح پر) فیصلہ کروانا ممکن ہو، تو پھر اس کی پابندی ضروری ہے۔ اجتہادی مسائل میں ان کے فیصلے تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنا چاہئے۔ کیونکہ قاضی کے فیصلے اور شرعی ثالث کے فیصلے سے اختلاف ختم ہوجاتا ہے۔ علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ اگر کسی علاقے میں شرعی حکمران موجود نہ ہو تو یہ معاملات طے کرنا علما کی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ تب علاقے کے علما ہی شرعی حاکم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا مغربی معاشرے میں رہنے والی مسلمان کمیونٹی کو چاہئے کہ ایسے انتظامات کرے کہ مسلمان اپنے جھگڑوں کے فیصلے شریعت کے مطابق کرواسکیں، اور ایسے افراد متعین ہونے چاہئیں جو شرعی احکام کی روشنی میں ان کے جھگڑے طے کرسکیں۔

☜ جب یہ صورت ممکن نہ ہو، کیونکہ فریقِ مخالف علمائے شریعت کے فیصلے کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں، اور اسے ایک بااختیار حاکم ہی ظلم سے روک سکتا ہے، تب اپنا حق حاصل کرنے اور ظلم سے نجات پانے کے لئے رائج قوانین کا سہارا لیا جاسکتا ہے۔ جب کوئی اور راستہ نہ رہے تو ان کی طرف رجوع کرنے والا کسی ملامت کا مستحق نہیں۔ کیونکہ شریعت سے فیصلہ نہ کروانے والے کے نفاق اور کفر کے بارے میں جو نصوص وارد ہیں، وہ ایسے حالات میں نازل ہوئی تھیں جب شریعتِ مطہرہ کے مطابق فیصلہ کروانا ممکن تھا۔ اس وقت جو شریعت سے اِعراض کرتا تھا، وہ اپنی خوشی اور اختیار کے ساتھ، طاغوت کے فیصلے کو اللہ اور رسول کے فیصلے سے بہتر سمجھ کر شریعت سے اعراض کرتا تھا۔

☜ اس صورت حال میں ضروری ہے کہ اس (غیر شرعی عدالت) کے سامنے جو مطالبہ پیش کیا جائے وہ شریعت کی رو سے جائز ہو۔ اس کے صرف اس فیصلے پر عمل کرنا حلال سمجھا جائے جو شریعت کے مطابق ہو۔ مثلاً اگر ایک مقروض جو آسانی سے قرض واپس کرسکتا ہے لیکن بلا وجہ ٹال مٹول کرتا ہے۔ اس کے خلاف موجودہ عدالت میں صرف اصل قرض کی واپسی کا دعویٰ دائر کیا جائے۔ اگر عدالت مدعی کے حق میں کچھ سود کی رقم کا بھی فیصلہ دے، تو اس کے لئے (سود کی) یہ رقم وصول کرنا حرام ہوگا کیونکہ یہ شریعت کے خلاف ہے۔

www.KitaboSunnat.com

☜ مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں طلاق کی خواہش مند خاتون کو غیر شرعی عدالت کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ وہ اسے شریعت سے زیادہ دلوائے گی۔ لہٰذا اس کی طرف رجوع کرنے کی صورت میں وہ گنہگار ہوگی۔ اگر اس کو جائز سمجھتی ہے تو کفرا کبر کے ایک عمل کی مرتکب شمار ہوگی۔ اور جب وہ اپنے خاوند سے جتنا مال شریعت کے حکم کے خلاف وصول کرے گی، وہ حرام مال ہوگا، جسے وصول کرنا اور اس پر قبضہ کرنا حرام ہوگا۔ اگر وہ طویل عرصہ تک اس کے قبضے میں رہے، تب بھی حلال نہیں ہوگا۔

☜ اگر عورت غیر شرعی جج سے فیصلہ کرانے پر مجبور ہو، اور وہ اس کے حق میں اس مال کا فیصلہ کردے جو شریعت اسے نہیں دلواتی، اور عورت اس باطل امر پر مصر ہو، اس صورت میں جائز ہے کہ کوئی شخص اصلاح کی نیت سے اس عورت سے بات چیت کرکے اسے اس چیز سے دست بردار ہونے پر آمادہ کرے جو جج نے تو اسے دلوائی ہے لیکن شرعی طور پر اس کا حق نہیں۔ یہ حسبِ مقدور خرابی کو کم کرنے اور ظلم کو ہلکا کرنے کی صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاتَّقُوْا اللهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ''اللہ سے ڈرو، جتنی تمہیں طاقت ہو۔'' اس نیت سے مداخلت کرنے والا ثواب کا مستحق ہے کیونکہ شریعت کا بنیادی اُصول مصالح کا حصول وتکمیل اور مفاسد سے رکاوٹ اور تقلیل ہے۔ عَلَی اللّٰہ علم

☜ یہاں ایک نیا سوال بھی درپیش ہے جو مغربی معاشروں کا ہی خاصہ ہے کہ وہاں مالی کفالت صرف مرد کے ذمے ہونے کی بجائے مردوعورت دونوں ہی کمائی کرتے ہوں اور دونوں اپنے مال سے گھر کی تعمیر وتکمیل میں حصہ لیتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ شادی کا تعلق قائم رہنے کی مدت کے دوران مالی معاملات ایک دوسرے سے متعلق ہونے کی بنا پر مالی حقوق کا فیصلہ کس طرح کیا جائے؟

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر خاوند اور بیوی دونوں کام کرتے تھے۔ اور ان دونوں کی آمدنی سے انہوں نے کوئی گھر یا زمین خریدی تو اس وجہ سے عورت کا اس گھر یا زمین میں ایک مستقل حق بن جاتا ہے جس کا طلاق کی بنا پر طے پانے والے حقوق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

www.KitaboSunnat.com

اس قسم کے مسائل علما اور ماہرین کی آرا کی روشنی میں شرعی فیصلہ کی بنیاد پر طے ہونے چاہئیں۔اس میں عدل وانصاف کو پوری طرح ملحوظ رکھا جانا ضروری ہے۔

نکاح وطلاق کے مسائل

خاوند کے علم میں لائے بغیر عدالت سے طلاق حاصل کرنا

سوال ۲: بعض مسلمان عورتیں (غیر اسلامی) عدالت میں جا کر طلاق کا مطالبہ کرتی ہیں اور عدالت ۹۰ دن بعد اس کے حق میں فیصلہ دے دیتی ہے جبکہ خاوند کو علم ہی نہیں ہوتا۔کیا یہ طلاق شرعی طور پر مؤثر ہوجاتی ہے؟ اگر عورت اس کے بعد نکاح کرلے تو کیا اس کا دوسرا نکاح درست ہوگا؟ یا اس طلاق کو زبردستی کی طلاق شمار کیا جائے گا؟

جواب: طلاق کا مطالبہ اُصولی طور پر خاوند سے ہونا چاہئے، کیونکہ وہی حق زوجیت کا مالک ہے۔طلاق کے معاملہ میں قاضی کو کوئی اختیار نہیں، اِلا یہ کہ عورت تکلیف میں ہو، یا خاوند تک پہنچنا ممکن نہ ہو، مثلاً وہ ایسی جگہ غائب ہے جہاں پہنچنا ممکن نہیں۔اس صورت میں طلاق کا وہ فیصلہ نافذ ہوگا جو شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے والی اسلامی عدالت کی طرف سے جاری کیا جائے۔ مذکورہ صورت حال میں اسلامی قاضی کو، یا مسلمان کمیونٹی کی طرف سے مقرر کردہ فرد کو، چاہئے کہ پہلے وہ خاوند سے رابطہ کرکے اسے حالات سے آگاہ کرے، پھر اس کا جوابِ دعویٰ سنے، اس کی تحقیق کرے، اس کے بعد کوئی کارروائی کرے۔

جس طرح کسی بھی مقدمے میں صرف ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا اس طرح یہاں بھی ہے۔ قضا کے معاملے میں غیر مسلم قاضی کو مسلمان مرد یا عورت پر کوئی شرعی اختیار نہیں۔اس پر علما کا اتفاق ہے کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ (النساء:۱۴۱) ''اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا'' اس لئے کسی غیر اسلامی اتھارٹی کی جاری کی ہوئی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں۔خاص

www.KitaboSunnat.com

طور پر جب کہ خاوند کو مقدمے کا علم نہیں، نہ اس کا موقف سنا گیا ہے۔ اس قسم کے فیصلے کے نتیجے میں عورت پہلے خاوند سے الگ نہیں ہوتی۔ نہ کسی اور مرد کو اس سے نکاح کرنا حلال ہے۔ لہٰذا اس کی بنیاد پر کیا ہوا دوسرا نکاح لامحالہ فسخ قرار پائے گا۔

بعض شہری مفادات کے لئے پیپر میرج

سوال ۳: ایک مسلمان کسی ملک میں مستقل رہائش کی اجازت حاصل کرنے کے لئے کسی عورت کو کچھ رقم دے کر اس سے نکاح کر لیتا ہے، لیکن نہ اس سے اِزدواجی تعلقات رکھتا ہے، نہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔ اس شخص کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح اگر عورت یہ کام کرے تو کیا یہ گناہ ہے؟ یا یہ مسلمان مردوں اور عورتوں کی زندگی میں سہولت پیدا کرنے کے لئے جائز ہے؟ نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی میں اس کا کیا حکم ہے کہ جس نے مذاق میں نکاح کیا یا طلاق دی، وہ اس کے لئے لازم ہوجائے گا؟

جواب: شریعت میں نکاح کا معاہدہ ہمیشہ اکٹھے رہنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد باہمی آرام وسکون، پاک دامنی اور اولاد کا حصول ہے۔ اس معاہدے کے نتیجے میں فریقین پر ایک دوسرے کے حقوق وفرائض عائد ہوتے ہیں۔ نکاح کے معاہدے کو اس میدان سے خارج کرنے کی ہر کوشش شارع کے مقصود سے انحراف ہے۔ اس نام نہاد شادی (Paper Marriage) کو صحیح نکاح تسلیم کیا جائے یا نہ کیا جائے، بہرحال اس میں بہت سی خرابیاں پائی جاتی ہیں، جن میں چند ایک یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

- اگر اسے نکاح تسلیم کیا جائے تو اس کے بہت سے مفاسد سامنے آتے ہیں مثلاً بے غیرتی کو قبول کرنا اور بیوی کا اس کے ماتحت نہ ہونا۔ کیونکہ اس صورت میں خاوند کو بیوی پر کوئی اختیار نہیں ہوتا، نہ اسے اس کی حرکات کا کوئی علم ہوتا ہے۔ وہ اسے دوسرے مردوں کے ساتھ دوستی لگانے سے منع کرنے کا حق نہیں رکھتا۔
- اس سے نسب محفوظ نہیں رہتا۔ اس دوران اگر عورت سے اولاد ہوجائے تو وہ افراد خاوند کے خاندان میں شامل ہوجاتے ہیں جو اصل میں اس سے نہیں، وہ قانونی پہلو سے

www.KitaboSunnat.com

اِزدواجی تعلقات کی وجہ سے اس کے بچے کہلاتے ہیں۔

◉ علاوہ ازیں یہ معاہدۂ نکاح متعہ سے مشابہ ہے جو بالاتفاق حرام ہے۔یعنی جب وہ اس بات پر اتفاق کرلیتے ہیں کہ رہائش کی قانونی اجازت ملتے ہی ان کے اِزدواجی تعلقات ختم ہوجائیں گے تو یہ متعہ بن جاتا ہے۔

جب ایک مسلمان خاتون کسی غیر مسلم مرد سے اس قسم کا معاہدہ کرتی ہے تو معاملہ زیادہ شنیع اور حرام ہوجاتا ہے، کیونکہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح کرنا حرام ہے اور اس قسم کا نکاح کالعدم ہے۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر مرد اس سے مقاربت کی خواہش ظاہر کرے تو عورت خود کو گناہ سے محفوظ نہ رکھ سکے۔کیونکہ ان دونوں کے درمیان قانونی طور پر شوہر بیوی کا تعلق ہے، اور اس تعلق میں اس کا پہلو کمزور ہے، اور عورت کی یہ خواہش بھی ہوگی کہ مرد کو ناراض نہ کرے تاکہ اس کی اس ملک میں رہائش کی اجازت ختم نہ ہوجائے۔

اگر اسے نکاح تسلیم نہ کیا جائے تب بھی مفاسد کا ایک سلسلہ موجود ہے۔مثلاً نکاح کے مقدس بندھن کی بے حرمتی اور اس کے شرعی مقاصد سے خروج، جھوٹ اور دھوکا جس کا کوئی جواز نہیں، فتنہ کا شدید احتمال، کیونکہ ان کے درمیان قانونی تعلق اُنہیں ایک دوسرے سے ناجائز تعلق قائم کرنے کی طرف راغب کرسکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس (کاغذی) شادی میں ایسے حرام اُمور پائے جاتے ہیں جن میں اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والا مؤمن کسی کوتاہی کے ارتکاب کی جرأت نہیں کرسکتا۔ ایسی حرکت وہی کرسکتا ہے جس کا نہ دین ہے، نہ اخلاق نہ شرافت۔

☜ سوال میں جو حدیث مذکور ہے وہ ان الفاظ کے ساتھ تو ہمارے علم میں نہیں، البتہ دوسرے الفاظ کے ساتھ مروی ہے، مثلاً تین کام ایسے ہیں جن کا مذاق بھی حقیقت ہے، اور حقیقت بھی حقیقت ہے: نکاح، طلاق اور غلام آزاد کرنا۔

مسلمان کا امریکی عدالت میں کتابیہ عورت سے نکاح کرنا؟

❁ سوال ۴: ایک مسلمان کسی مسلم ملک سے آکر کسی کتابی عورت سے نکاح کرے جس

www.KitaboSunnat.com

کا مقصد مستقل رہائش کی فوری اجازت حاصل کرنا ہو۔عقدِ نکاح کے شرعی تقاضے پورے نہیں کئے جاتے۔ وہ اکٹھے رہتے ہیں اور ان کے ہاں اولاد بھی پیدا ہوجاتی ہے۔اس تعلق کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا سرکاری قانون کے مطابق نکاح کے بعد اسلامی نکاح کی ضرورت نہیں رہتی؟ اس نکاح کو درست کس طرح کیا جاسکتا ہے؟ اسلام اس تعلق کے بارے میں کیا کہتا ہے جو کئی سال سے قائم ہے اور اس کے نتیجے میں اس شخص کی اولاد بھی پیدا ہوئی ہے؟

جواب: مسلمان مرد کا نکاح اہل کتاب کی کسی عورت سے جائز ہے بشرطیکہ وہ 'محصنہ' ہو۔ یہاں اِحصان کا مطلب زنا سے بچ کر پاک دامن زندگی گزارنا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ (النساء:۲۴)

''جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، ان کی پاک دامن عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔''

اس نکاح کے لئے ضروری ہے کہ اس میں اسلامی شریعت کے مطابق اَرکان وشروط کا لحاظ رکھا جائے۔امریکی عدالت میں کیا ہوا نکاح کئی وجوہات کی بنا پر غیر معتبر ہے:

- کسی کا نکاح کرنا ولایت (سرپرستی) کی ایک صورت ہے۔مسلم اور غیر مسلم کے درمیان یہ تعلق معدوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کافروں کو مؤمنوں پر ہرگز راہ نہ دے گا۔''
- اس نکاح میں شرعی گواہی نہیں ہوتی۔کیونکہ (اس قانون میں) گواہ مقرر کرنا لازمی قرار نہیں دیا گیا اور (کاغذات میں) صرف ایک گواہ کی جگہ رکھی گئی ہے۔
- عورت کے ولی (سرپرست) کی عدم موجودگی۔اکثر اہل علم کے نزدیک عورت کا نکاح اس کے سرپرست ہی کرسکتے ہیں۔اگر ہم اس مسئلہ میں وہ حنفی مسلک بھی اختیار کرلیں جو عام طور پر مشہور ہے تو اس نکاح میں دوسری خرابیاں بہرحال موجود ہیں۔
- چونکہ صورتِ حال یہ ہے، لہٰذا مرد کو چاہئے کہ نئے سرے سے نکاح کرے جس میں شرعی ارکان وشروط کو پورا کرے۔اس عقدِ فاسد کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد کو اس مرد کی جائز اولاد تسلیم کیا جائے گا، کیونکہ اس تعلق میں عقدِ نکاح کا شبہ موجود ہے۔

www.KitaboSunnat.com

مغربی ممالک میں غیر مسلم عورتوں سے نکاح؟

سوال ۵: کیا مغربی ممالک میں غیر مسلم عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے؟

جواب: حلال وہی ہے جسے اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے حلال قرار دیا ہے، اور حرام وہی ہے جسے اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے۔ اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے اہل کتاب کی پاک دامن عورت سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے، اور فرمایا ہے: ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''اور جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ان کی پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں۔'' اس مقام پر مُحصنات سے مراد بدکاری سے اجتناب کرنے والی عورتیں ہیں۔ لیکن اس کے بعد ان خرابیوں پر بھی غور کرنا ضروری ہے جو اس نکاح سے اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب وہ مغربی ممالک میں کیا جائے۔ بالخصوص موجودہ حالات میں جب کہ اُمتِ مسلمہ کی شان وشوکت ختم ہوچکی ہے۔ اور اس کے دشمن جیسے چاہتے ہیں اسے ظلم وستم کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ یہاں تو پہلی بار اختلاف پیدا ہونے پر ہی خاوند انتہائی کمزور مقام پر کھڑا ہوتا ہے۔ مغربی ممالک تو اسے اپنے ظالمانہ قوانین اور ضابطے دکھاتے ہیں اور خود اس کی اپنی (مسلمان) حکومت بے دست و پا بن کر کھڑی رہتی ہے، اور اس کی ذرا برابر مدد نہیں کرسکتی۔ اس قسم کے حالات میں مسلمان مرد کو اس طرح کا نکاح کر لینے کا مشورہ نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ اس سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں مثلاً اولاد کافروں کے ملک میں پروان چڑھتی ہے جس کا بُرا اثر ان کے حال اور مستقبل پر پڑتا ہے۔ اس وجہ سے وہ آزمائش میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ چیز انہیں کفر کے ملک میں مستقل رہائش رکھنے اور اس زندگی کو پسند کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہیں، جس سے وہ نفسیاتی طور پر آہستہ آہستہ مسلمانوں کی جماعت سے بالکل کٹ جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ نکاح حلال تو ہے لیکن مکروہ اور ناپسندیدہ ہے[1] احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے جو شخص مستغنی ہونا چاہے اللہ اسے مستغنی کردیتا ہے، اور جو پاک دامنی اختیار کرنا چاہے، اللہ تعالیٰ اسے پاک دامنی کے مواقع عطا فرما دیتا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

جو شخص اس قسم کی شادی پر مجبور ہو جائے، مثلاً نکاح نہ کرنے کی صورت میں اسے بدکاری میں ملوث ہونے کا اندیشہ ہے تو اس کے لئے بہتر ہے کہ نکاح کے بعد منع حمل کے طریقوں پر عمل کرے[2] اور بچے پیدا کرنے سے پہلے اچھی طرح غور وفکر کر لے، کیونکہ ان حالات میں اس کے ہونے والے بچوں کو دین کے بارے میں بہت سے فتنوں کا سامنا کرنا پڑے گا، جن کے ذرائع اس سے بالکل قریب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ واللہ أعلم

مسلمان مرد کا ہندو عورت سے نکاح؟

سوال ٦: کیا مسلمان مرد کے لئے ہندو عورت سے نکاح کرنا جائز ہے؟

جواب: مسلمان مرد ہندو عورت سے نکاح نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ عورت نہ مسلمان ہے نہ اہل کتاب۔ اور مسلمان مرد کے لئے صرف مسلمان یا اہل کتاب کی عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔ دوسرے مشرک مذاہب مثلاً گائے کی پوجا کرنے والے، آتش پرست، بت پرست اور شیطان کے پجاری وغیرہ کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔'' دوسری مشرک عورتوں سے نکاح کی حرمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ﴾ ''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔ مشرک عورت سے مؤمن لونڈی بہتر ہے خواہ وہ (مشرک عورت) تمہیں اچھی لگتی ہو۔'' اس لئے ہندو عورت سے نکاح جائز نہیں، کیونکہ وہ نہ مسلمان ہے اور نہ اہل کتاب میں سے ہے۔ واللہ أعلم

---

① سوال چونکہ عام غیر مسلم عورت کے بارے میں ہے اور جواب میں صرف کتابیہ عورت کو سامنے رکھا گیا ہے جواب میں اس امر کی وضاحت ہونی چاہیے تھی کہ کتابیہ کے علاوہ دیگر غیر مسلم خواتین سے نکاح مطلقاً حرام ہے۔ جیسا کہ آنے والے سوال کے جواب میں تصریح ہے۔ (مدنی)

② ایسا شخص روزہ بھی رکھ سکتا ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔

www.KitaboSunnat.com

مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح کرنا؟

❁ **سوال ۷**: بعض اوقات ایک لڑکی اپنے والدین کی اطاعت نہ کرتے ہوئے کسی غیر مسلم سے نکاح کر لیتی ہے۔ اس نکاح میں چونکہ اسے قوانین اور سرکار کی حمایت حاصل ہوتی ہے، اس لئے باپ کچھ نہیں کرسکتا۔ ایک بڑے عالم کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آ چکا ہے جو ایک عرب اسلامی ملک میں ایک بڑی عربی یونیورسٹی کے چیئرمین تھے۔

اس لڑکی کے گھر والے شریعت کی روشنی میں اس سے کس قسم کے تعلقات رکھ سکتے ہیں؟ کیا اس کے گھر والے اس سے لاتعلقی کا اعلان کرسکتے ہیں؟ یا وہ اس لڑکی سے اور اس کے خاوند سے اس اُمید پر تعلقات رکھ سکتے ہیں کہ شاید وہ مسلمان ہوجائے؟ اگر وہ مرد واقعی مسلمان ہوجائے تو کیا اس کا دوبارہ نکاح کرنا ہوگا جب کہ پہلے ان کا نکاح امریکی قانون کے تحت ہوا ہے جس میں صحیح اسلامی نکاح کی شرائط ملحوظ نہیں رکھی گئیں۔

جواب: اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ مسلمان کا غیر مسلم مرد سے نکاح باطل اور کالعدم ہے۔ قرآن، حدیث اور اجماع سے اس کے بے شمار دلائل ملتے ہیں۔ لہٰذا اس مشکل میں مبتلا خاندان کا اس لڑکی کے بارے میں ایک واضح موقف ہونا چاہئے جس کی وجہ سے وہ اللہ کے ہاں بریٔ الذمہ ہوسکے، وہ اللہ اور لوگوں کے سامنے گواہی دے سکے کہ اس لڑکی کے عمل سے اس کا کوئی تعلق نہیں، نہ اسے یہ عمل پسند ہے۔ اس کے باوجود اگر اس مصیبت زدہ خاندان کے چند افراد اس باغی لڑکی سے اور اس کے دوست سے رابطہ رکھیں اور کوشش کریں کہ لڑکا مسلمان ہوجائے یا لڑکی تائب ہوجائے۔ کیونکہ توبہ کی گنجائش باقی ہے اور اس کے دروازے مغرب سے سورج طلوع ہونے (قیامت) تک کھلے ہیں اور بندے کی توبہ اس کی جان حلق میں پہنچنے سے پہلے بھی قبول ہوسکتی ہے۔ پھر اگر لڑکا مسلمان ہوجائے تو نئے سرے سے نکاح کرنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ پہلا نکاح غیر شرعی اور کالعدم ہے۔

اس نکاح سے پہلے ایک حیض آنے تک انتظار کرنا ضروری ہے تاکہ واضح ہوجائے کہ عورت کے پیٹ میں گذشتہ تعلقات کے اثرات نہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ حلال اور حرام

www.KitaboSunnat.com

آپس میں گڈمڈ نہیں ہوں گے۔ واللہ أعلم

مسلمان عورت کا غیر مسلم کے نکاح میں رہنا؟

سوال ۸: کیا مسلمان ہوجانے والی عورت غیر مسلم مرد کے نکاح میں رہ سکتی ہے، جبکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس میاں بیوی کے ہاں اولاد بھی ہوجاتی ہے؟

جواب: جب عورت مسلمان ہوجائے، اور مرد غیر مسلم رہے تو ان کے درمیان اِزدواجی تعلقات جائز نہیں رہتے۔ اسے چاہئے کہ اس مرد سے پردہ کرے، اس کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے، اس سے صنفی تعلق قائم نہ کرے۔ جب تک عدت نہیں گزر جاتی، ان کا نکاح موقوف رہتا ہے۔ اگر عدت کے دوران مرد مسلمان ہوجائے تو ان کا پہلا نکاح قائم ہے، نئے سرے سے نکاح کرنے کی ضرورت نہیں، اور اگر وہ اس دوران مسلمان نہیں ہوا تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اب وہ جس مرد سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ اللہ نے فرمایا: ﴿فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ، لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾ (الممتحنہ:۱۰)

''اگر وہ تمہیں مؤمن معلوم ہوں تو اب تم انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، یہ ان کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں۔''

بعض علما کی یہ رائے ہے کہ اگر عورت اپنے خاوند کے اسلام کا انتظار کرنا پسند کرے، تو عدت گزرنے کے بعد بھی نکاح موقوف رہے گا۔ جب بھی اس کا خاوند مسلمان ہوگا، وہ دوبارہ اس کی بیوی بن جائے گی، نئے سرے سے نکاح کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ اس کی دلیل کے طور پر (رسول اللہ ﷺ کی بیٹی) حضرت زینبؓ کا واقعہ بیان کرتے ہیں، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کے خاوند حضرت ابوالعاص بن ربیعؓ کے اسلام لانے پر دوبارہ ان کے ہاں بھیج دیا تھا اور نئے سرے سے نکاح بھی نہیں کیا تھا۔ حضرت ابوالعاصؓ مسلمان عورتوں سے مشرک مردوں کا نکاح حرام ہونے کا حکم نازل ہونے سے دو سال بعد مسلمان ہوئے تھے۔

☜ خلاصہ یہ ہے کہ اِزدواجی تعلقات عورت کے اسلام لانے کے بعد فوراً حرام ہو جاتے ہیں۔ البتہ نکاح کے باقی رہنے کے بارے میں مختلف آرا ہیں۔ بعض علماء کرام کے

www.KitaboSunnat.com

نزدیک نکاح فوراً فسخ ہوجاتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ عدت ختم ہونے تک موقوف رہتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ اگر عورت انتظار کرنے کا فیصلہ کرلے تو وہ مرد کے مسلمان ہونے تک موقوف رہتا ہے۔ واللہ اعلم

خُلع کے قواعد اور طریقہ کار

سوال ۹: اگر عورت اپنے خاوند سے خُلع لینا چاہے تو اس ملک میں امام کو کن قواعد وضوابط کا خیال رکھنا چاہئے؟

جواب: اُصولی طور پر خُلع کے ذریعے عورت کو آزاد کرنا مرد کا حق ہے۔ لہٰذا اس معاملے کو اسے شریک کئے بغیر حل نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہی حق رکھتا ہے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں رکھے یا چھوڑ دے۔ لیکن بعض حالات میں قاضی کی مداخلت کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً اگر خاوند زیادتی کرتا ہے اور عورت کے تفریق کے مطالبہ کو تسلیم نہیں کرتا، تب قاضی ان میں صلح کرانے یا تفریق کرانے کے لئے مداخلت کرتا ہے۔ اگر وہ ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش میں ناکام ہوجائے تب وہ خاوند کو حکم دے گا کہ خُلع کرلے۔ اگر خاوند انکار کرے تو قاضی اس کی طرف سے خُلع کا فیصلہ کرکے عورت کو نکاح کی پابندی سے آزاد کردے گا۔ اسی طرح اگر خُلع کا مطالبہ پیش ہونے کے بعد مرد روپوش ہوجائے یا اپنا پتہ چھپالے، اور اس سے رابطہ کرنا ممکن نہ ہو، تو بھی یہی حکم ہے۔

لیکن قاضی کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا مداخلت کرنا (طلاق کے) حسبِ معمول طریقے کے خلاف ہے۔ لہٰذا اسے چاہئے کہ خاوند کا کوئی عذر باقی نہ رہنے دے۔ اسے اطلاع دے کہ اس کی بیوی نے خُلع کا مطالبہ کیا ہے اور اسے حکم دے کہ اس کا مطالبہ تسلیم کرلے۔ دو تین بار اس طرح کرے۔ ہر دفعہ اس کے لئے مناسب مدت کا تعین کرے اور یہ یقین حاصل کرے کہ خاوند کو اطلاع مل چکی ہے اور مرد کے لئے جو مدت مقرر کی گئی ہے وہ غور وفکر کے لئے اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ جب کہ حسبِ امکان صلح کی کوشش کا فرض بھی ادا کیا ہو۔ اگر وہ ان سب کوششوں کے بعد بھی ناکام ہوجائے، تو عورت سے ضرر دور

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے لئے آخر کار مداخلت کر کے معاملہ کو انجام تک پہنچا دے۔

☜ بعض اسلامی مراکز عورت کی شکایت سنتے ہی فوراً خُلع کا فیصلہ دے دیتے ہیں۔ خاوند تک پہنچنے اور اس کا موقف معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور اسے خُلع کا حق خود استعمال کرنے کا موقع نہیں دیتے۔ یہ ایک غلط قسم کی جلد بازی ہے، جس کا ارتکاب کرنے والا گنہگار ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس صورت میں خُلع واقع ہی نہیں ہوگا تو شاید غلط نہ ہو۔

بیوی کا شوہر سے خُلع کا مطالبہ

❀ **سوال ۱۰**: ایک امریکی مسلمان خاتون نے میرے پاس آ کر اپنے خاوند کی بدسلوکی کی شکایت کی، اور خلع کے ذریعے الگ ہونا چاہا۔ لیکن اس کا خاوند انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے، اور وہ اس کے بچوں کی ماں ہے۔ عورت کہتی ہے یا مجھ سے خلع کرلو، ورنہ میں اسلام چھوڑ کر مرتد ہوجاؤں گی۔ اس صورت میں کیا اسے خلع کے ذریعے الگ کرنا ضروری ہے؟ اور کیا امام قاضی کے طور پر یہ فیصلہ نافذ کرسکتا ہے؟

جواب: سب سے پہلے ہم نومسلم خواتین کے خاوندوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ ان سے اچھا سلوک کریں، اور ان کے لئے آزمائش کا باعث نہ بنیں۔ یہ بڑا بھیانک گناہ ہے۔ اس سے بڑی برائی اور کیا ہوسکتی ہے کہ مسلمان مرد ایک مسلمان عورت کے مرتد ہونے کا سبب بن جائے.....!

☜ ہم عورت کو بھی نصیحت کرتے ہیں کہ اس کا قبول اسلام تذبذب پر مبنی نہیں ہونا چاہئے کہ اگر راحت حاصل ہو تو وہ دین پر قائم رہے، اور اگر کوئی مشکل آ جائے تو اُلٹے پاؤں پھر جائے، یہ دنیا اور آخرت کا خسارہ ہے۔ اسے سمجھنا چاہئے کہ اصل اسلام اور چیز ہے اور مسلمان کہلانے والے بعض افراد جو خواہش ِنفس یا جہالت کی بنا پر حرام کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں تو وہ ان کا ذاتی فعل ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسے چاہئے کہ جھگڑے اور مشکلات کی صورت میں اپنے دین کو سودے بازی کا ذریعہ نہ بنائے۔ سچا مؤمن وہ ہے جو کفر سے نجات پانے کے بعد دوبارہ کافر ہونے سے اتنی نفرت کرتا ہے، جس طرح اسے آگ

www.KitaboSunnat.com

میں پھینک دیا جانا انتہائی ناگوار ہوتا ہے۔ اگر وہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہناتی ہے تو اس کی نحوست اور سزا کا نشانہ دنیا اور آخرت میں وہ خود ہوگی۔ اس کی ذمہ داری اسی کے کندھوں پر ہوگی۔ ہم اس خاتون کو، اور تمام دوسری خواتین کو بھی، نبی اکرم ﷺ کا وہ ارشاد مبارک یاد دلانا چاہتے ہیں:

''جس عورت نے خاوند سے بلا وجہ طلاق مانگی، وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گی۔''

☜ ان ضروری باتوں کے بعد ہم کہتے ہیں: مذکورہ صورتِ حال میں اگر خاوند اسے اپنی طرف مائل کرنے میں اور خلع کے مطالبہ سے روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تو اسے چاہئے کہ عورت کے خلع کا مطالبہ تسلیم کرلے۔ اس کے لئے جائز نہیں کہ اسے تنگ کرنے کے لئے اپنے نکاح میں رکھے، اور نہ کسی کو اس گناہ میں اس کی مدد کرنی چاہئے۔ اگر وہ اسے اچھی طرح رکھ نہیں سکا، تو کم از کم اچھی طرح آزاد کرنے سے تو اسے عاجز نہیں ہونا چاہئے۔ اِزدواجی زندگی کے دو پہلو ہیں: إمساك بمعروف (اچھے طریقے سے رکھنا) یا تسریح بإحسان (اچھے طریقے سے چھوڑ دینا) اور تیسری کوئی صورت جائز نہیں۔

☜ اسلامک سنٹرز (جو غیر مسلم ممالک میں قائم ہیں) رائج قوانین کی حدود میں ظالم خاوند کی طرف سے عورت کو طلاق دینے کا حق رکھتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے صلح صفائی کے لئے تمام مطلوبہ کارروائی مکمل ہونا ضروری ہے اور فریقین کو کافی مہلت ملنی چاہئے تاکہ وہ جذباتی طوفانوں اور غلبہ خواہشات کی ہنگامی کیفیات سے نکل کر اپنے اپنے موقف پر نظرثانی کرسکیں۔ اس معاملے میں فیصلہ کرنے والے اہل علم کو جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہئے۔

موجودہ دور کی عدالتیں جو اپنا فیصلہ نافذ کرنے کی قوت رکھتی ہیں، وہ بھی فریقین کو مناسب مہلت دیتی ہیں، اور جان بوجھ کر لمبی مدت کی تاریخ دیتی ہیں تاکہ فریقین میں سے ہر ایک سمجھ بوجھ والا راستہ اختیار کرسکے۔ کسی سنٹر کے انچارج کی یہ غلطی ہوگی کہ وہ خلع کا مطالبہ کرنے والی ہر عورت کے حق میں جلدی سے فیصلہ دے دے اور مقدمہ کے فریقین کو اتنی مناسب مدت مہیا نہ کرے جس سے اسے ظن غالب حاصل ہوجائے کہ اس نے اپنا فرض ادا

www.KitaboSunnat.com

کردیا ہے اور اسے یقین ہوجائے کہ ان دونوں کا مل جل کر رہنا مکمل طور پر ناممکن ہوچکا ہے اور ان کے درمیان تعلقات میں واقع ہونے والی خرابی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اس کی اِصلاح کی اُمید نہیں رہی۔ عَلَیٰ للہ تی علم

خاوند کی قید کی صورت میں بیوی کتنی مدت انتظار کرے؟

سوال ۱۱: بہت سی نومسلم خواتین کے ساتھ ایسا معاملہ پیش آتا ہے کہ خاوند کو پانچ دس سال کے لئے قید کی سزا مل جاتی ہے اور وہ اپنے اس (قیدی) خاوند سے طلاق لینا چاہتی ہیں۔ بعض اوقات عورت صاف کہہ دیتی ہے کہ اگر اسے طلاق نہ دلوائی گئی تو وہ ناجائز تعلقات قائم کرنے پر مجبور ہوجائے گی۔ لہٰذا کتنی مدت کے بعد طلاق یا فسخ نکاح کا فیصلہ دینا چاہئے؟ جب کہ صورتِ حال یہ ہے کہ ایک عام امریکی خاتون اپنے جذبات پر چھ ماہ سے زیادہ قابو نہیں رکھ سکتی۔

اسی طرح اگر خاوند کہیں چلا جائے اور معلوم نہ ہوسکے کہ وہ کہاں ہے تو کتنی مدت کے بعد عورت کے حق میں طلاق کا فتویٰ جاری کرنا چاہئے؟

جواب: جب خاوند قید ہوجائے اور عورت صبر نہ کرسکے تو اسے طلاق کا مطالبہ کرنا جائز ہے، خواہ اس کے اخراجات کے لئے خاوند کا مال موجود ہو۔ جو شخص جیل میں ہو، یا حبس بے جا میں ہو، جس کی وجہ سے اس کی بیوی اس سے نکاح کے فوائد حاصل نہ کرسکتی ہو، اس کا حکم گم شدہ آدمی کی بیوی کا ہے[۱]، اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ البتہ یہ مسئلہ اجتہاد پر مبنی ہے کہ عورت کو

---

۱ قیدی کے متعلق امام ابن قدامہ مغنی (۱۱/۲۴۷) میں فرماتے ہیں: وأجمعوا علی أن زوجة الأسیر لاتنکح حتی تعلم یقین وفاته کہ ''فقہا کا اس بات پر اجماع ہے کہ قیدی کی بیوی (از خود آگے) نکاح نہیں کرسکتی حتیٰ کہ اسے خاوند کی وفات کا یقینی علم ہو۔''

البتہ طویل قید کے ضرر کے پیش نظر خاوند سے طلاق یا خُلع کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ اگر خاوند اس پر اتفاق نہ کرے تو عدالت یا پنچایت کے ذریعہ نکاح فسخ کراسکتی ہے۔ (مدنی)

۲ حضرت عمرؓ مفقود الخبر کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کی بیوی چار سال تک انتظار کرے اور بعد میں عدت وفات گزارے۔ ایسا کرنے سے وہ آگے نکاح کرنے کے لیے حلال ہوجائے گی۔ یہ موقف دیگر بعض صحابہ سے بھی مروی ہے۔ امام بخاریؒ نے حدیثِ لقطہ اور دیگر بعض آثار کی وجہ سے مدتِ انتظار ایک سال کافی سمجھی ہے۔ (مدنی)

www.KitaboSunnat.com

کتنے عرصہ بعد طلاق کا مطالبہ کرنے کی اجازت ہے؟

امام مالکؒ کی رائے میں ایک سال کی مدت میں حصولِ ضرر اور عورت کو تنہائی کا شدید احساس ہوجاتا ہے، جس کی بنا پر وہ فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کا حق رکھتی ہے۔ بعض دوسرے علما نے تین سال کی مدت بیان کی ہے[۲]۔ امام احمد بن حنبلؒ سے روایت ہے کہ عورت کو چھ ماہ بعد تفریق کا مطالبہ کرنے کا حق ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ قول زیادہ ٹھیک ہے کیونکہ عورت اپنے خاوند کی غیر موجودگی پر زیادہ سے زیادہ اتنی مدت ہی صبر کرسکتی ہے۔ یہ حضرت عمر فاروقؓ کا اجتہاد ہے جو انہوں نے نافذ فرمایا تھا۔ چنانچہ (اس مدت کے بعد) پہلے تو خاوند سے مطالبہ کرنا چاہئے، کیونکہ نکاح کا باقی رکھنا یا طلاق دینا اس کا اختیار ہے۔ اگر وہ اس مطالبے کو تسلیم کرلے تو مسئلہ حل ہوگیا۔ اگر وہ اسے نکاح میں رکھنے پر مصر ہو تو عورت اگر مسلمانوں کے ملک میں ہو تو عدالت میں دعویٰ دائر کرے اور اگر غیر مسلم علاقے میں ہے تو اسلامی مرکز سے رجوع کرے۔ مسلمان کمیونٹی جس شخص کو ان معاملات کے فیصلے کرنے کے لئے مقرر کرتی ہے، وہ اس عورت کو طلاق یافتہ قرار دے سکتی ہے جسے اس کا خاوند محض تنگ کرنے کے لئے نکاح میں رکھے ہوئے ہے۔ لیکن اس سے پہلے حالات و واقعات کی مکمل تحقیق کی جانی ضروری ہے اور ضرورت پڑے تو مناسب مدت مقرر کی جاسکتی ہے۔

☜ اگر خاوند گم ہوجائے اور معلوم نہ ہوسکے کہ وہ کہاں ہے تو اس صورت میں عورت کو طلاق طلب کرنے کا حق ہے۔ قاضی کو، یا جسے کمیونٹی ان معاملات کے فیصلے کرنے کے لئے مقرر کرتی ہے۔ اسے چاہئے کہ صورتِ حال کی اچھی طرح تحقیق اور چھان پھٹک کرے، اور گواہی وغیرہ طلب کرے۔ اگر دعویٰ ثابت ہوجائے تو ان کے درمیان تفریق کا فیصلہ دے دے۔ اس صورت میں بھی مدت کے بارے میں وہی تفصیل ہے جو قیدی کے بارے میں بیان ہوچکی ہے۔

پہلی بیوی سے خاوند کی بے رُخی؟

❁ **سوال ۱۲**: تین سال پہلے میں نے شمالی افریقہ کے ایک آدمی سے شادی کی تھی۔

www.KitaboSunnat.com

نکاح کے موقع پر ہم دونوں کے خاندانوں کا کوئی فرد موجود نہیں تھا۔ البتہ بعض دوسرے حاضرین موجود تھے۔ نکاح اور ولیمہ مختصر وقت میں ہوگیا۔ اس وقت میں دوسرے مقام پر زیر تعلیم تھی۔ چند سال گزرنے کے بعد میری تعلیم مکمل ہوگئی اور میں اس کے ساتھ کینیڈا جانے کے لئے تیار ہوگئی۔ تب غیر متوقع طور پر اس نے کہا کہ ''تمہیں الگ سے ویزا کی درخواست دینا پڑے گی، اور میں وطن پہنچ کر تمہاری کفالت کرنے پر تیار نہیں ہوں، اور ممکن ہے وہاں مجھے اپنے گھر والوں کو خوش کرنے کے لئے ایک اور شادی کرنی پڑے۔'' حالانکہ اس کے خاندان نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ انہیں ہماری شادی کی وجہ سے کوئی مشکل درپیش ہے۔

مجھے تو اس کا دوسری بیوی سے تعلق رکھنے کا خیال بہت نکما اور ہلکا محسوس ہوتا ہے جبکہ وہ پہلی بیوی کا خیال نہیں رکھتا۔ وہ مجھے خرچ بھی نہیں دیتا۔ ہمارا آپس میں رابطہ زیادہ تر انٹرنیٹ کے ذریعے ہوتا ہے۔ مجھے اس کے اس طرزِ عمل سے سخت دکھ پہنچتا ہے۔ مجھے اس کی دوسری شادی پر کوئی اعتراض نہیں بشرطیکہ وہ اپنی پہلی بیوی کے حقوق ادا کرے، یا اس کا کوئی ایسا پروگرام ہو کہ مجھے اپنے ساتھ لے جائے، تاکہ میں اس کے ساتھ رہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ اس معاملے میں کوئی فیصلہ کرلوں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ میرے ایمان اور طرزِ حیات کا امتحان ہے۔ تو کیا آپ کوئی مشورہ دے سکتے ہیں؟

جواب: ازدواجی زندگی کے متعلق دو ہی راستے ہیں: یا اچھے طریقے سے رکھنا، یا اچھے طریقے سے چھوڑ دینا۔ خاوند اور بیوی دونوں کے حقوق بھی ہیں اور فرائض بھی۔ جنہیں پورا کرنا ضروری ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوسکتا ہے کہ عورت اپنے خاوند کی بے رخی محسوس کرے تو اپنے کچھ حقوق سے دست بردار ہوجائے، مثلاً باری کا حق یا خرچ کا حق وغیرہ۔

☜ خلاصہ یہ ہے کہ آپ کو اپنے خاوند کے ساتھ بیٹھ کر اطمینان کے ساتھ جذبات سے ہٹ کر بات کرنی چاہئے۔ دونوں فریق کھلے دل سے صاف صاف بات کریں، اور ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھیں۔ اگر دونوں کو محسوس ہو کہ وہ اللہ کے احکام کی حدود میں یہ تعلق قائم رکھ سکتے ہیں (خواہ مکمل حقوق کی ادائیگی کی ساتھ یا اس کم سے کم حد تک اتفاق کرکے جو

www.KitaboSunnat.com

فریقین کے لئے قابل قبول ہو) تو یہ بہت بہتر ہے۔ دونوں کو اس مقصد کے لئے پوری کوشش کرنی چاہئے۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ دونوں یہ تعلق قائم نہیں رکھ سکتے، بلکہ ایک دوسرے کو دھوکہ دینے کی کوشش کررہے ہیں اور ہر ایک کا اپنا اپنا منصوبہ ہے تو پھر یہی بہتر ہے کہ اچھے طریقے سے جدائی اختیار کرلیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهٖ﴾

''اگر وہ الگ الگ ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی فراخی کے ذریعے مستغنی کردے گا۔''

ناجائز تعلق کو شرعی نکاح میں تبدیل کرنا؟

سوال ۱۳: ایک مسلمان مرد نے ایک غیر مسلم عورت سے ناجائز تعلق قائم کیا، جس سے حمل قرار پا گیا۔ حمل کے پانچویں مہینے میں مسلمان مرد اسلامک سنٹر میں آیا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس عورت سے باقاعدہ نکاح کرکے تعلقات کو جائز کرلے۔ پھر اس نے امام سے درخواست کی کہ نکاح کی تاریخ حمل سے پہلے کی درج کی جائے تاکہ وہ مسلمانوں میں بدنام نہ ہو، کیا امام ان دونوں کا آپس میں نکاح کرسکتا ہے؟ اور نکاح کی وہ تاریخ درج کرسکتا ہے جو خاوند کا مطالبہ ہے؟

جواب: علمائے کرام نے زانیہ سے نکاح حلال ہونے کی دو شرطیں بیان فرمائی ہیں:

① وہ زنا سے توبہ کرے۔ ② رحم ناجائز تعلقات کے اثرات سے پاک ہو۔

اگر عورت اُمید سے ہو تو اس صورت میں علما کی آرا مختلف ہیں:

بعض علما کے نزدیک نکاح کرنا بھی حرام ہے اور اِزدواجی تعلقات قائم کرنا بھی حرام ہے۔ بعض کے نزدیک صرف ملاپ حرام ہے، عقدِ نکاح درست ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دونوں کام جائز ہیں جبکہ نکاح اسی عورت سے کرے جس سے زنا کیا ہے۔

توبہ میں مدد اور پردہ پوشی کے نقطہ نظر سے یہی آخری موقف زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے اسلامک سنٹر کے امام کے لئے ان کا نکاح کردینے میں کوئی حرج نہیں، تاکہ وہ توبہ کرسکیں۔ اور توبہ کرنے والوں کی پردہ پوشی کا شرعی مقصود حاصل ہوسکے۔

کاغذات میں پچھلی تاریخ درج کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان ملکوں میں بہت سی

www.KitaboSunnat.com

شادیاں زبانی ہوجاتی ہیں جنہیں سرکاری کاغذات میں درج نہیں کیا جاتا۔

زانیہ کے بچے کا مسئلہ اور اس کی نسبت؟

سوال ۱۴: ایک واقعہ ہمارے علم میں آیا ہے کہ ایک مسلمان عورت سے ایک ہفتے کے اندر اندر کئی مردوں نے مباشرت کی۔ وہ اُمید سے ہوگئی، لیکن اسے معلوم نہیں کہ اس سے ہونے والے بچے کا باپ کون ہے؟ کیا وہ رسوائی کے ڈر سے اِسقاط کرا سکتی ہے؟ اس کی توبہ کا کیا حکم ہے؟ بچہ کس کی طرف منسوب ہوگا؟ بالخصوص ان علاقوں کے حالات کے تناظر میں اس مسئلہ کا شرعی حل بڑا ضروری ہے۔ جزاکم اللہ

جواب: بچے میں روح ڈالے جانے کے بعد اسقاط حرام ہونے پر علما کا اتفاق ہے، اگرچہ حالات کیسے ہوں، اور اگرچہ طبی معائنہ سے معلوم ہوتا ہو کہ بچہ بگڑی ہوئی صورت والا (مثلاً لنگڑا، تین ہاتھ والا) ہے۔ البتہ اگر قابل اعتماد سپیشلسٹ ڈاکٹروں کا بورڈ یہ فیصلہ کرے کہ حمل باقی رہنے کی صورت میں ماں کی جان کو یقینی خطرہ درپیش ہے تو اس وقت اسقاط جائز ہے۔ خواہ بچہ بگڑی ہوئی صورت والا ہو یا نہ ہو، تاکہ بڑے نقصان سے بچا جائے۔ صرف یہی ایک صورت ہے جس میں اس مرحلہ کے بعد بھی اسقاط کی گنجائش ہے۔

جان پڑنے سے پہلے اسقاط کے بارے میں فقہا کی آرا مختلف ہیں:

زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ جان پڑنے سے پہلے بھی اسقاط اصلاً منع ہی ہے۔ کیونکہ وہ ایک مخلوق ہے جس کو زندگی ملنے والی ہے اور اس کے ابتدائی اسباب مہیا ہو چکے ہیں۔ اس وجہ سے اس کا حکم عزل سے مختلف ہے۔ البتہ اگر واضح مجبوری ہو تو اسقاط جائز ہوگا، تاہم مکروہ ہوگا۔ لہٰذا اس سوال کا دوٹوک جواب تو تبھی دیا جاسکتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ اس عورت کے پیٹ میں بچہ کتنی عمر کا ہے؟ اگر بچہ تخلیق کے ابتدائی مراحل میں ہے اور مفتی یہ محسوس کرتا ہے کہ عورت اپنے گناہ پر نادم ہے اور اپنی غلطی کی تلافی اور اصلاح چاہتی ہے اور اس فتویٰ کی وجہ سے اسے توبہ قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے اور وہ اپنے ماحول سے ہم آہنگ ہوسکتی ہے، تب تو اُمید ہے کہ

www.KitaboSunnat.com

اِسقاط میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔لیکن اگر وہ گناہ کے راستے پر بدستور رواں دواں ہے، پھر اسے اس کے حق میں یہ فتویٰ جاری کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں اس کے لئے نئے گناہ کے ارتکاب کا راستہ کھل جائے گا، کیونکہ اسے رسوائی سے بچنے کا طریقہ معلوم ہو چکا ہے۔ البتہ توبہ کرنے والے کے لئے قبولیت کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے کہ دن کو گناہ کرنے والا توبہ کرلے، اور دن کو ہاتھ بڑھاتا ہے کہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کرلے۔ وہ کسی کو اپنی رحمت سے مایوس نہیں کرتا، نہ کسی کے لئے توبہ کا دروازہ بند کرتا ہے۔ اللہ نے شرک، قتل اور زنا جیسے جرائم کا ارتکاب کرنے والے کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ إِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُّضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُوْلٰئِكَ يُبَدِّلُ اللهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَّكَانَ اللهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (الفرقان:٦٨ تا ٧٠)

''اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے، اور کسی ایسے شخص کو ناحق قتل نہیں کرتے، جسے قتل کرنا اللہ نے منع کردیا ہو، نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں، اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اپنے اوپر سخت وبال لائے گا۔ اسے قیامت کے دن دہرا عذاب دیا جائے گا، اور وہ ذلت وخواری کے ساتھ ہمیشہ اسی میں رہے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں، اور ایمان لائیں، اور نیک کام کریں، ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دیتا ہے، اللہ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔''

☜ باقی رہا بچے کا مسئلہ، تو بچہ ان مردوں میں سے کسی کی طرف منسوب نہیں ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «الولد للفراش وللعاهر الحجر» ''بچہ بستر والے کا ہے اور زانی کیلئے پتھر ہیں'' نیز نسب ایک نعمت ہے، اور نعمت گناہ کے ذریعے حاصل نہیں کی جاتی۔ البتہ وہ اس عورت کا بیٹا ہے کیونکہ اس کا ماں کا تعلق یقینی ہے۔ بدکاری کرنے والے مردوں میں سے کسی کا عورت سے جائز تعلق نہیں تھا۔ اس لئے وہ ان میں سے کسی کا بیٹا قرار نہیں دیا جاسکتا۔

www.KitaboSunnat.com

اِسقاطِ حمل کی صورت میں کفارہ کی مالیت؟

سوال ۱۵: میں نے حمل ساقط کروا دیا ہے۔ اب میں چاہتی ہوں کہ اس صورت میں جتنا صدقہ کرنا واجب ہے، ادا کر کے گناہ کا کفارہ دے دوں۔ میں غرّہ (غلام) کے بارے میں معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ میری معلومات کے مطابق 'غرۃ' کی قیمت بالغ انسان کی دیت کے پانچویں حصے کے برابر ہے۔ کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ موجودہ حالات میں اس کی کتنی قیمت بنے گی؟

جواب: حمل ساقط کرنے سے ایک غرّہ یعنی غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا واجب ہوتا ہے۔ انہیں غرہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ انتہائی قیمتی مال ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی فیصلہ ہے۔

قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں۔ ایک نے دوسری کو پتھر دے مارا۔ جس سے وہ بھی مرگئی اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی مر گیا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مقدمہ پیش کیا تو آنحضرت ﷺ نے یہ فیصلہ دیا کہ اس کے بچے کی دیت ایک غلام یا ایک لونڈی ہے۔ آپؐ نے عورت کی دیت کی ذمہ داری اس (قاتل عورت) کی برادری پر ڈالی، اور اس (مقتولہ) کی وراثت اس کی اولاد اور دوسرے اقارب کو عطا فرمائی۔ (متفق علیہ)

اس کے علاوہ صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے اِسقاط کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپؐ نے اس قسم کے مقدمے میں ایک غرہ یعنی غلام یا لونڈی دینے کا حکم دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: آپ کوئی گواہ لائیں جو آپ کے ساتھ گواہی دے۔ تب محمد مسلمہؓ نے (اس کی تائید میں) گواہی دی۔'' (متفق علیہ)

فقہا نے غرہ کی قیمت دیت کا بیسواں حصہ بیان کی ہے۔ یعنی پانچ اونٹ، یا سونے کے پچاس دینار یا چاندی کے چھ سو درہم۔ اس کی روشنی میں غرہ کی قیمت معلوم کی جاسکتی ہے۔ مثلاً یہ دیکھا جائے کہ ایک گرام سونے کی کتنی قیمت ہے۔ پھر اس قیمت کو پچاس سے ضرب دی جائے یا یہ معلوم کیا کہ ایک (اوسط درجے) کی اونٹنی کی قیمت کتنی ہے، پھر اسے پانچ سے ضرب دے لی جائے۔ اس طرح دیت کی رقم معلوم ہوجائے گی۔

www.KitaboSunnat.com

مال اور روزگار کے مسائل

شراب خانے کے مسلمان مالک کی دعوتِ طعام میں شرکت

سوال ۱۶: کسی شراب خانے کا مالک یا اس میں کام کرنے والا مسلمان اپنے ہمسایوں اور رشتہ داروں کو کھانے پینے کی دعوت دے تو کیا وہ اس کی دعوت قبول کر سکتے ہیں؟ یا ان کے لئے اس کے ساتھ مل کر کھانا پینا حرام ہے؟

جواب: اس شخص کے اقارب اور ہمسایوں کے لئے جائز ہے کہ اس کی دعوت قبول نہ کریں تاکہ اس سے ناراضگی کا اظہار ہو، اور اس کے گناہ سے لاتعلقی کا اعلان ہو، اور اسے یقین ہوجائے کہ وہ جس گناہ میں ملوث ہے، اس کی وجہ سے لوگ اسے حقیر سمجھتے اور نفرت کرتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل أمر بالمعروف اور نهی عن المنکر میں شامل ہے جیسے جہاد سے پیچھے رہ جانے والے تین حضرات سے نبی اکرم ﷺ کے حکم سے بائیکاٹ کیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ اللہ نے اپنے نبیؐ کو اطلاع دی کہ ان کی توبہ قبول ہوگئی ہے۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ اس شخص کی دعوت قبول کر لی جائے لیکن اس کے ساتھ اسے نصیحت کی جائے اور اسے متنبہ کر دیا جائے کہ اگر اس نے نصیحت قبول نہ کی تو آئندہ اس کی دعوت قبول نہیں کی جائے گی۔ ان دونوں میں سے جو طریقہ زیادہ مناسب محسوس ہو، جس سے اس کی اصلاح ہوجانے اور باطل سے باز آجانے کی زیادہ اُمید ہو، وہی طریقہ اختیار کرلیا جائے۔ اس مقام پر شارع کا ایک مقصد ہے اور وہ ہے گناہ میں ملوث شخص کا گناہ سے باز آجانا۔ اُصول یہ ہے کہ کسی بھی مسئلہ میں جب شریعت کا مقصود واضح ہو، اور حصولِ مقصد کے متعلق ذرائع موجود ہوں، تو اس کے لئے وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس سے مقصود حاصل ہونے کا زیادہ یقین ہو۔

تاہم یہ طعام بذاتِ خود حرام نہیں، اس کا گناہ کمانیوالے پر ہے۔ حرمت کا تعلق خود اس شخص کی ذات سے ہے۔ ناجائز کمائی کے ذریعے حاصل ہونیوالے ہر کھانے کا یہی حکم ہے۔

www.KitaboSunnat.com

البتہ اگر مال چوری یا غصب کے ذریعے حاصل کیا گیا ہو، اور یہ بھی معلوم ہو کہ اس کا اصل مالک فلاں ہے تو اسے کھانا کسی کے لئے حلال نہیں۔ اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مالک کو واپس کیا جائے۔ اور جو شخص اس میں مدد کرسکتا ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ مال کی واپسی میں ممکن حد تک تعاون کرے۔ واللہ أعلم

حرام کمائی والے شخص کا صدقہ قبول کرنا؟

سوال ۱۷: کیا اسلامی مراکز و مدارس اس آدمی سے چندہ وصول کرسکتے ہیں جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ شراب یا خنزیر فروخت کرتا ہے؟ کیا امام یا مسجد کی انتظامیہ کے لئے اس سے چندہ مانگنا جائز ہے؟

جواب: شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت کے قطعی حرام ہونے پر اجماع ہے۔ اس گناہ کا ارتکاب کرنے والا بالاتفاق ظالم اور گنہگار ہے۔ اس کے قرب و جوار کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اسے نصیحت کریں اور اس قدر ڈانٹ ڈپٹ کریں، اسے طریقے طریقے سے توجہ دلائیں کہ وہ اس حرکت سے باز آجائے۔ اس کے لئے یہ طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے کہ اس کو اہمیت نہ دی جائے اور اس کا صدقہ قبول نہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے منعقد کیے جانے والے اجلاس میں اسے مدعو نہ کیا جائے۔ بلکہ اس وقت تو یہ صورت اختیار کرنا ضروری ہوجاتی ہے جب اس کے غلط کام سے اعلانِ براءت، اور اس کے حرام ہونے کو پرزور طور پر واضح کرنے کا یہی مناسب طریقہ ہو۔ یا اس سے نرمی کرنے سے خطرہ ہو کہ وہ اس غلط فہمی کا شکار ہوجائے گا کہ صدقہ دے کر اس کا حرام کاموں کے ارتکاب کا گناہ معاف ہوجاتا ہے۔ جیسے مسلمان ملکوں میں رقص و سرود سے روزی کمانے والی بعض عورتیں ماہِ رمضان میں اجتماعی افطاری کا بندوبست کرکے یہ سمجھ بیٹھتی ہیں کہ اس طرح وہ اپنے گناہوں سے پاک صاف ہوگئی ہیں، اگرچہ آئندہ کے لئے وہ اسی گناہ کو جاری رکھنے کا پختہ اِرادہ رکھتی ہوں۔ یا یہ خطرہ ہو کہ بعض عوام یہ سمجھ بیٹھیں گے کہ اس طرح ان کے لئے (گناہ پر قائم رہنے کی) گنجائش پیدا ہوسکتی ہے، یا یہ سمجھیں گے کہ ان کاموں سے منع نہیں کرنا چاہئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بدعت

www.KitaboSunnat.com

ومعصیت کے مرتکب کو زجر وتوبیخ کرنے سے شریعت کا ایک مقصد حاصل ہوتا ہے، وہ یہ کہ ان مجرموں اور بدعتیوں کو منع کیا جائے، اور عوام کو متنبہ کیا جائے کہ ان جیسے کام نہ کریں۔ اور اُمت بھی بدعتوں اور خلافِ شریعت اعمال کے ارتکاب سے بچ جائے۔

اس علانیہ بائیکاٹ کے باوجود یہ درست ہے کہ کوئی عالم اسے نصیحت کرنے کے لئے خفیہ طور پر اس سے رابطہ قائم رکھے، یا خفیہ طور پر اس سے صدقہ وصول کرلیا جائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے نصیحت بھی جاری رہے اور مسلمانوں کی اجتماعیت کے ساتھ اس کا تعلق نچلے درجے تک قائم رہے۔ تاکہ عام بائیکاٹ کی وجہ سے وہ مسلمانوں کی جماعت سے مکمل طور پر الگ ہوجانے کا فیصلہ نہ کرلے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس سے صدقہ وصول نہ کرنا أمر بالمعروف اور نهى عن المنكر کی ایک صورت ہے۔ یہ خود ان مالوں کو وصول کرنے کی حرمت کے قبیل سے نہیں۔ حرام کمائی سے حاصل ہونے والے حرام مال سے توبہ کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اس مال کو رفاہِ عامہ کے کسی کام میں خرچ کرکے اس سے جان چھڑا لے۔ لہٰذا توبہ کے بعد یہ مال آخر کار اسلامی اداروں کے پاس ہی آئیں گے تاکہ وہ آدمی حرام مال سے نجات پالے، یا اس کی کمائی میں خلافِ شریعت کاموں اور گناہوں کی جو ملاوٹ ہوگئی ہے، اس سے اپنے مال کو پاک کرلے۔ عَلَی اللہ تی علم

برائی میں تعاون کرنے والی ملازمت کا مسئلہ

❁ **سوال ۱۸**: ایک شخص ٹیکسی ڈرائیور ہے، اسے معلوم نہیں کہ اس کی گاڑی میں کون سوار ہوگا۔ کیونکہ اس کی بکنگ کمپیوٹر یا ٹیلیفون کے ذریعے ہوتی ہے۔ اگر اس کی ٹیکسی میں سوار ہونے کے لئے کوئی شخص شراب لے کر آجائے، یا کوئی عورت فسق و فجور کے مقام پر جانے کیلئے ٹیکسی لے، تو وہ اس کا مطالبہ پورا کرنے سے انکار نہیں کرسکتا۔ کیونکہ انکار کی صورت میں اسے ملازمت سے جواب مل سکتا ہے۔ اس بارے میں اسلام کا حکم تفصیل سے بیان فرمائیں۔

جواب: اُصول یہ ہے کہ ہر وہ کام ممنوع ہے جس سے کسی گناہ میں مدد ملتی ہو۔ مثلاً

شراب بنانے والے کے ہاتھ انگور بیچنا منع ہے۔ ایسے شخص کو ہتھیار فروخت نہیں کیا جاسکتا جو اس کے ذریعے کسی بے گناہ کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ کسی آدمی کو شراب نوشی کے لئے شراب خانے تک یا بدکاری کے لئے چکلے تک سواری مہیا نہیں کی جاسکتی۔ ان احکام کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر ہے: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدۃ:۲) ''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو، گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد مت کرو۔''

لہٰذا اگر مسلمان ڈرائیور اگر ایسے کام سے بچ سکتا ہو، جس کے ذریعے گناہ میں تعاون ہوتا ہو، تو اسے ضرور بچنا چاہئے۔ اس صورت میں اسے رخصت تلاش کرنا جائز نہیں۔ لیکن اگر اس کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو اسے لاچار (مضطر) قرار دیا جاسکتا ہے۔

اور اس کام کو شبہ والا سمجھنا چاہئے۔ ایسے واقعات کی قلت و کثرت کی بنا پر شبہ بھی ہلکا یا شدید ہوگا۔ یعنی اگر اس کے کام میں یہ (گناہ والی) کیفیت زیادہ ہے تو اس کا اثر اس کے کام کے جواز پر بھی پڑے گا اور ایسی ملازمت ناجائز ہوجائے گی۔ تب ضروری ہوگا کہ وہ کوئی دوسرا کام تلاش کرے، یا اس کام کے لئے ایسی جگہ تلاش کرے جہاں وہ اللہ کی رضا زیادہ حاصل کرسکتا ہو، اور اسے اس قسم کی صورتِ حال پیش آنے کے اِمکانات کم ہوں۔

زکوٰۃ کے مصارف

دعوتی سرگرمیوں کے لئے مالِ زکوٰۃ کا استعمال؟

سوال ۱۹: کیا امریکہ کے اسلامک سنٹرز کو زکوٰۃ دینا جائز ہے تاکہ وہ اپنے قرض ادا کرسکیں جو زمین کی خریداری، تعمیرات، یا کسی عمارت میں ضروری توسیع کی وجہ سے ان کے ذمہ ہیں، یا دوسرے قرض یا اُدھار چیزیں لینے کی وجہ سے یا سنٹر کے ضروری اخراجات پورے کرنے کے لئے حاصل کئے جاتے ہیں، خواہ یہ (اخراجات) تنخواہوں کی صورت میں ہوں، یا ٹیکسوں کی ادائیگی کی صورت میں، یا مرمت وغیرہ کے لئے یا اسلامی پروگراموں کو جاری رکھنے

www.KitaboSunnat.com

کے لئے ان کی ضرورت پڑتی ہو؟

جواب: اس سوال کے جواب میں علما کی مختلف آرا ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف میں (فی سبیل اللہ) کا مقصود متعین کرنے میں علما میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

- متقدمین میں سے اکثر علما 'فی سبیل اللہ' کو جہاد اور اس سے متعلق مصارف تک ہی محدود قرار دیتے ہیں۔ وہ اس میں مجاہدین کے علاوہ کسی اور کو شامل نہیں کرتے۔ کیونکہ جب یہ لفظ مطلق ہو تو اس سے مراد 'جہاد' ہی ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر اس مصرف (فی سبیل اللہ) کے مفہوم کو عام کردیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ باقی مصارف کالعدم ہوجائیں گے، یا ان کا الگ سے ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔
- متاخرین میں سے بہت سے علما اس کو وسیع معنوں میں لیتے ہیں، اور اس میں عوامی بہبود کے تمام کاموں کو شامل کرتے ہیں۔
- ایک تیسرے فریق نے درمیانی راہ اختیار کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس مصرف سے صرف 'جہاد' مراد ہے۔ لیکن اسلام میں جہاد صرف قتال پر ہی نہیں بولا جاتا بلکہ اس میں زبانی جہاد اور اللہ کی طرف دعوت دینے کا جہاد بھی شامل ہے۔ یعنی 'جہاد' صرف تلوار سے جنگ کرنے کا نام نہیں۔ کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''مشرکین سے جہاد کرو، اپنے ہاتھوں کے ساتھ، اپنی زبانوں کے ساتھ اور اپنے مالوں کے ساتھ۔'' خصوصاً کافر ممالک میں، جہاں مسلمان جلاوطنی اور لادینیت کا شکار ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی کے تحت کام کرنے والی فقہی مجلس نے بھی جہاد کے اس وسیع تر مفہوم کی باقاعدہ تائید کی ہے۔ اور انہوں نے جہاد کے مفہوم میں اس طرح کی تمام سرگرمیوں کو شامل کیا ہے کیونکہ موجودہ حالات میں اس نوعیت کے کام جہاد کی ہی صورتوں میں داخل ہیں۔

☜ مندرجہ بالا اُمور کی روشنی میں ہمارے نزدیک اس مسئلہ میں راجح قول یہی ہے کہ اس مصرف میں غیر مسلم ممالک میں اسلام کی دعوت دینا بھی شامل ہے۔ اور ان ملکوں میں قائم ان دعوتی اور تعلیمی اداروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جو ان ممالک میں مسلمانوں کو اسلام پر قائم

www.KitaboSunnat.com

رکھتے ہیں اور غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ واللہ اعلم

دعوتی سرگرمیوں میں کمی بیشی کی بنا پر زکوٰۃ دینے میں ترجیح؟

سوال ۲۰: ایک اسلامک سنٹر میں اسلامی مدرسہ یا دعوت وتبلیغ کا مرکز قائم ہے۔ جبکہ دوسرے اسلامک سنٹر میں صرف مسجد ہے جس میں نماز ادا کی جاتی ہے اور مسلمان کمیونٹی کو درس دیے جاتے ہیں، کیا زکوٰۃ ادا کرنے کے لحاظ سے ان دونوں میں فرق ہے؟

جواب: میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان اسلامی مراکز کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جن کو اس کی ضرورت ہو، خواہ مرکز کو چلانے کے لئے یا اس کے قرض ادا کرنے کے لئے۔ لیکن اگر اللہ نے اسے مستغنی کیا ہو مثلاً اس کے اوقاف سے اتنی آمدنی حاصل ہوجاتی ہو، جس سے اس کے اخراجات پورے ہوسکتے ہوں، یا کوئی حکومت یا ادارہ وغیرہ اس پر خرچ کرنے کی ذمہ داری اُٹھائے ہوئے ہو، تو اس صورت میں مرکز کے لئے جائز نہیں کہ حاجت مندوں کے حق میں سے کچھ لے لے کیونکہ غنی آدمی کیلئے اور طاقتور صحت مند آدمی کے لئے صدقہ لینا حلال نہیں۔

بدعتیوں کی مساجد کے ساتھ تعاون؟

سوال ۲۱: ان مساجد کے ساتھ تعاون کا کیا حکم ہے جن کی انتظامیہ کے ساتھ ہم فکری اور منہجی اختلاف رکھتے ہیں؟ کیا ان کیلئے چندہ جمع کرنے کے اجتماعات کا اعلان کرنا جائز ہے؟

جواب: جس شخص میں اللہ کے پسندیدہ اعمال بھی پائے جائیں، اور اللہ کے ناپسندیدہ اعمال بھی، اس سے ایک لحاظ سے دوستی رکھی جائے گی اور ایک لحاظ سے نفرت۔ اس سے دوستی اور محبت اس کے بنیادی طور پر مؤمن ہونے کی وجہ سے، نیک اور پابندِ شریعت ہونے کی بنا پر ہوگی، اور اس سے نفرت اس کے فسق وفجور یا بدعت کے مطابق ہوگی۔

یہ لوگ جو عقیدے میں بدعت پر قائم ہیں، ان سے اللہ اور رسول ﷺ پر بنیادی طور پر ان کے ایمان رکھنے کی وجہ سے محبت کی جائے گی۔ اس لئے انہیں کفار کے قابو میں نہیں جانے دیا جائے گا، مشکلات ومصائب میں ان کی فریاد رسی کی جائے گی۔ زندگی میں ان کے لئے ہدایت کی دعا کی جائے گی، اور ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے رحمت کی دعا کی جائے

www.KitaboSunnat.com

گی۔ان کی بدعت اور گمراہی کی وجہ سے انہیں بدعت سے منع کیا جائے گا، ایسے مقام پر ان کی مدد نہیں کی جائے گی جہاں مدد کرنے سے ان کو بدعت کی ترویج کی طاقت حاصل ہوجائے اور وہ لوگوں کو گمراہ کرسکیں۔ ہوسکتا ہے کہ فائدہ اس طریقے میں ہو کہ لوگوں کو سنت پر عمل کرنے کی دعوت دی جائے اور اس کے بنیادی مسائل کی تعلیم دی جائے۔

اور کسی شخص یا ادارے کو نشانہ نہ بنایا جائے۔ اس سے اُمید ہے کہ بعض افراد حق کی طرف آجائیں اور ایک قبلہ کو ماننے والوں کے درمیان دشمنی اور نفرت پیدا نہ ہو، جب کہ حالات ایسے نازک ہیں کہ باہمی اتفاق اور اتحاد کی شدید ضرورت ہے۔لہٰذا ایسے مقام پر ان کی مدد کی جائے گی جہاں انہیں فوری امداد کی ضرورت ہو مثلاً کسی مسجد پر غیر مسلموں کے قبضے کا خطرہ ہو، یا ان کی طرف سے اس کے بند کردیے جانے کا اندیشہ ہو۔ایسے مواقع پر مسجد کا بدعتی مسلمانوں کے زیر انتظام کھلی رہنا، اس کے غیر مسلموں کے قبضے میں چلے جانے سے بہتر ہے۔ یا مثلاً ان پر غیر مسلم زیادتی کررہے ہیں اور اس کا مقابلہ کرنے کیلئے ان کا ساتھ دینے اور مدد کرنے کی ضرورت ہو، اور اس مقصد کیلئے مال وغیرہ جمع کرنے کی سخت ضرورت ہو۔

بعض دوسرے مقامات پر ان سے تعاون نہیں کیا جائے گا، مثلاً جب وہ اپنے باطل عقائد اور بدعتوں کو عام کرنے اور ان کی نشر واشاعت کے لئے مال جمع کررہے ہوں تو ان سے تعاون نہیں کیا جائے گا۔تب ہمارا عمل اللہ عزوجل کے اس فرمان پر ہوگا: ﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ ''نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو، گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو۔'' ان سب اُمور میں یہ اُصول پیش نظر رکھا جائے گا کہ شریعت کی بنیاد بہتر اچھائی کے حصول اور بدتر برائی کی روک تھام پر ہے۔ واللہ اعلم

سود پر خریدے گئے مکان کی باقی اقساط کا مسئلہ

سوال ۲۲: میری ایک دوست حال ہی میں پوری طرح سوچ سمجھ کر اور دل کے پورے اطمینان کے ساتھ مسلمان ہوئی ہے۔اس نے سود پر ایک مکان خریدا تھا۔اب اسے معلوم ہوا کہ سود لینا اور دینا حرام ہے۔ اب اسے کیا کرنا چاہئے جب کہ وہ مکان کی باقی قیمت یکمشت ادا نہیں کرسکتی۔ اس نے توبہ کرلی ہے اور پچھلے گناہ پر نادم ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ اس گناہ سے اُسے نجات دے دے۔ کیا آپ کوئی مشورہ دے سکتے ہیں؟

جواب: اس خاتون کے سامنے کئی راستے ہیں:

① وہ یہ مکان فروخت کردے، اور اس سودے سے مکمل طور پر بریٔ الذمہ ہوجائے۔ خود کرائے کے مکان میں رہائش اختیار کرلے، حتیٰ کہ اللہ اسے اپنے فضل سے رِزق دے (اور وہ اپنا مکان خریدنے کے قابل ہوجائے۔)

② وہ کوئی اسلامی کمپنی تلاش کرکے معاہدہ اس کی طرف منتقل کردے۔ اس سلسلے میں رائج قوانین کے مطابق کوئی ایسی شروط طے کرلی جائیں یا کوئی ایسا اتفاق کرلیا جائے جس سے یہ کام درست ہوجائے۔

③ کمیونٹی میں کوئی مسلمان سرمایہ کار تلاش کرے، جو اس مکان کو مکمل طور پر خرید کر اس خاتون کو کرائے پر دے دے۔ یا اسلامی قواعد کے مطابق قسطوں پر اس خاتون کے ہاتھ فروخت کردے۔

④ کوئی آدمی اسے مکان کی باقی ماندہ قیمت کے برابر قرضِ حسنہ دے دے، جس کو وہ قرض خواہ ادارے کو ادا کردے۔ پھر مستقبل میں وہ اس قرض دینے والے کو قرض ادا کردے۔

⑤ اگر اس کیلئے مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کرنا ممکن نہ ہو تو دل میں یہ پختہ ارادہ رکھے کہ جونہی ممکن ہوا، وہ اس مکان سے دوسری جگہ منتقل ہوجائے گی اور مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی شرعی متبادل تلاش کرنے کی کوشش کرتی رہے، اور اللہ سے خلوص کے ساتھ دعا کرتی رہے۔ وہ اپنی رحمت کے ساتھ دعائیں قبول کرنے والا ہے۔

اتفاقاً دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال ۲۳: اگر کسی عورت نے کسی دوسری عورت کے بچے کو اتفاقاً دودھ پلا دیا ہو، تو کیا اس عورت کا بچہ یا بچی، اس بچی یا بچے سے نکاح کرسکتا ہے، جس کو اس نے اتفاقاً دودھ پلایا تھا؟

جواب: رضاعت کے بارے میں صحیح قابل اعتماد قول یہی ہے کہ پانچ دفعہ دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ بچہ اگر ایک دو بار دودھ چوسے تو حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ صحیح

www.KitaboSunnat.com

مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک یا دو بار چوسنا حرام نہیں کرتا۔'' اس کے علاوہ صحیح مسلم میں حضرت اُمّ الفضلؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''نبی ﷺ میرے گھر تشریف فرما تھے کہ ایک اعرابی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ (اس نے کہا:) ''اللہ کے نبی ﷺ! میری ایک بیوی تھی۔ میں نے اس کی موجودگی میں ایک اور عورت سے نکاح کرلیا۔ اب میری پہلی بیوی کہتی ہے کہ اس نے میری دوسری بیوی کو ایک بار یا دو بار دودھ پلایا تھا'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایک دو بار منہ میں دودھ دینا حرام نہیں کرتا۔''

☜ موطأ امام مالک اور مسند احمد میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابوحذیفہؓ کے آزاد کردہ حضرت سالمؓ کے معاملے میں ابوحذیفہؓ کی زوجہ محترمہ حضرت سہلہؓ سے فرمایا تھا: ''اسے پانچ بار دودھ پلا دے۔'' تاکہ وہ لڑکا ان کا محرم بن جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ پانچ سے کم دفعہ دودھ پلانے سے محرم کا رشتہ قائم نہیں ہوتا۔

☜ عقلی طور پر دیکھا جائے تو پانچ دفعہ دودھ پلانے سے بچے کی جسمانی افزائش اور ہڈیوں کی مضبوطی میں فرق پڑتا ہے۔ اس طرح دودھ پلانے والی اور دودھ پینے والے کے درمیان میں بیٹے کا تعلق قائم ہوجاتا ہے۔ چونکہ سوال کرنے والی خاتون نے اس بچے کو صرف ایک بار دودھ پلایا ہے، لہٰذا اس سے نکاح کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی اور ان دونوں کے درمیان محرم کا رشتہ قائم نہیں ہوتا۔ [مزید جوابات کے لئے اگلے شمارے کا انتظار کریں]

مغربی ممالک میں موجود مسلمان اپنے مسائل کے شرعی حل کیلئے یہاں رابطہ کریں

مجمع فقهاء الشريعة بأمريكا AssembelyofMuslimJuristsofAmerica

8909 Tonbridge Ter, Adelphi, Maryland 20783, USA Tel: 301 474 7400 Fax: 301 982 1813

Mailing Address: P.O. Box: 777, College Park, Mary Land 20741 E-mail: amjafatwa@yahoo.com

ماہنامہ 'محدث' کی نئی ویب سائٹ بخوبی کام کررہی ہے، جس میں سوال وجواب کے تحت آپ نہ صرف اپنے سوالات رفتاویٰ پوچھ سکتے ہیں بلکہ محدث کے ۲۰۰۳ء کے تمام شمارے بھی مکمل صورت میں مطالعہ کرسکتے ہیں اوپر دیے گئے سوال وجواب بھی ویب سائٹ پر پڑھے جاسکتے ہیں: www.mohaddis.com

خود مطالعہ کریں اور اپنے دوستوں کو بھی اس ویب سائٹ کے بارے میں مطلع کریں۔ ادارہ

www.KitaboSunnat.com

تہذیبی کشمکش

جناب مہاتیر محمد
وزیراعظم ملائشیا

مغرب کے ساتھ تہذیب واَقدار کی کشمکش

ڈاکٹر مہاتیر محمد اسلامی ملک ملائشیا کے صرف ہردلعزیز حکمران ہی نہیں بلکہ کئی کتب کے مصنف ایسے عظیم عالمی مفکر بھی ہیں جن سے دورِ حاضر کا مالی استعمار اور مغرب شدید خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے قیام اور فعالیت کے بعد 'گلوبلائزیشن' کے نعرے تلے ۱۹۹۶ء میں ملائشیا سمیت متعدد ایشیائی ممالک کو جس معاشی بحران کا سامنا کرنا پڑا، اس میں جناب مہاتیر محمد نے صرف اپنے ملک کی ولولہ انگیز قیادت کی بلکہ مغرب کے استعماری نظریات پر بھی شدید مفکرانہ چوٹ کی۔

زیرنظر انگریزی تحریر آپ کی معروف کتاب A New Deal for Asia کا ایک باب ہے جس میں انہوں نے مغربی اور ایشیائی اقدار کا ایک تقابل پیش کرکے مغرب کو ایشیائی اقدار اپنانے کا مشورہ دیا ہے۔ انہوں نے مغرب سے اپنی مستقل اقدار اپنانے کا حق منوانے کے علاوہ ان کی معاشرتی اقدار پر شدید تنقید بھی کی ہے۔اس مضمون کے مطالعے کے دوران آپ کو بھی ایشیائی اقدار کی برتری واضح طور پر محسوس ہوگی، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی محسوس ہوگا کہ ہم لوگ ذہنی طور پر اچھی باتوں کو تسلیم کرنے کے باوجود اپنے عمل سے اس کی تائید کرنے پر قدرت نہیں رکھتے۔فکر وعمل کی ہماری یہ منافقت ہی ہماری سب سے بڑی کمزوری ہے۔ جبکہ مغرب باوجود کمتر معاشرتی اقدار اور فکر پر عمل پیرا ہونے کے بڑی یکسوئی سے ان کے حصول کیلئے یکسو ہے!!

موجودہ دور میں تہذیبیں مضبوط اقتصادیات وتمدن سے ہی پہچانی جاتی ہیں۔ ایشیا کے وہ ممالک جو مضبوط اقتصادی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً چین، جاپان، ملائشیا اور کوریا وغیرہ؛ مغربی ممالک میں ایشیا کا تعارف یہی تہذیبیں ہیں۔ملائشیا کے معاشی بحران اور اسی تہذیبی تناظر میں چونکہ یہ کتاب لکھی گئی ہے، اس لئے اسلام کا حوالہ اس مضمون میں نہیں ملتا، اس کے باوجود اہل علم کے لئے اس میں سمجھنے کا بہت سامان ہے۔ (ح م)

ایشیائی اَقدار

میں اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہوں کہ مغربی ذرائع ابلاغ اکثر مجھے ایک ایسے لیڈر کے طور پر پیش کرتے ہیں جو کہ متکبر اور ایشیائی اقدار کا علمبردار ہے اور جب میں نے ایشیا میں اُبھرنے والی نئی صنعتی اقوام کے مابین پائی جانے والی چند مشترکہ اَقدار کی طرف اشارہ کیا تو

www.KitaboSunnat.com

میرے ان خیالات کو ایک نئے انداز کی خطرناک ایشیائی جارحیت اور خود پسندی کا نام دیا گیا۔

مغرب میں بسنے والے بہت سے لوگوں کے خیال میں مغربی اَقدار کسی بھی مہذب معاشرے کی بنیادی شرط ہیں۔ مغرب میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ ایشیائی اقدار کے چمپئن اپنے استبداد، ڈکٹیٹر شپ اور دیگر غیر جمہوری رویوں کو 'ایشیائی اقدار' کے نام پر درست ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس تعصب کی بنیادی وجہ شاید یہ ہے کہ مغربی ذرائع ابلاغ اور لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا میں صرف اَقدار کا ایک ہی مؤثر نظام موجود ہے جو کہ مغربی اقدار کا نظام ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ اور وہاں کے صاحب رائے لیڈر شاید یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ دنیا میں بہت سے مختلف نظام ہائے اَقدار پہلو بہ پہلو باہمی بھائی چارے کی فضا میں زندہ رہ سکتے ہیں۔

آج (ملائشیا کے) معاشی بحران کے بعد ایشیائی ترقی کا خواب چکنا چور ہو چکا ہے، تو ایسی صورتِ حال میں اس انداز میں سوچنے والے لوگوں کے لئے ایک انجانی خوشی کا باعث ہوسکتا ہے کیونکہ ایشیائی اقدار نے ان کے لئے جو ممکنہ خطرات پیدا کر رکھے تھے، وہ اس بحران کے ریلے کی نذر ہو چکے ہیں۔ میں اس انجانی خوشی کی بازگشت محسوس کر رہا ہوں۔

میں نے کبھی بھی اس خیال کو ہوا نہیں دی کہ دنیا میں صرف ہمارے پاس ہی بہتر اقدار کا نظام ہے اور نہ ہی اس خیال کی ترویج کی ہے کہ ایشیائی اقدار باقی دنیا میں پائی جانے والی تمام اقدار کو زیر کرلیں گی۔ میں جب ایشیائی اقدار کی وکالت کرتا ہوں تو اس سے میری مراد ہرگز یہ نہیں ہوتی کہ مغربی اقدار برائیوں کا منبع ہیں۔ ان کی حیثیت اپنے ماحول میں مسلمہ ہے کیونکہ ہم سب لوگ ایک پیچیدہ دنیا کا حصہ ہیں۔ میں اس حقیقت سے ہرگز گریزاں نہیں ہوں کہ چند ایک انفرادی اَقدار ایسی ضرور ہوتی ہیں جو کہ کسی بھی معاشرے کا بنیادی اور لازمی جزو ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی چند ایک قدرتی تفرقات بھی پائے جاتے ہیں جو دراصل کسی بھی سوسائٹی کی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہیں۔ یہ وہ لفظ ہے، جس پر ہمیں تنگ نظری سے نہیں سوچنا چاہئے کیونکہ بہت سی ایسی اقدار اَقوام عالم میں پائی جاتی ہیں جو کہ بے شک مغربی اقدار سے کسی بھی سطح پر کوئی تال میل نہیں رکھتیں مگر پھر بھی اپنے انفرادی معاشروں کے لحاظ سے ان کی ایک خاص اہمیت بنتی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

سامراجی دور میں ایشیائی لوگوں کو شدت سے یہ احساس دلایا گیا کہ ان کی معاشرتی اقدار اور طریقہ کار مغرب کے مقابلہ میں نہایت پست ہیں مگر اس کے برعکس ایشیائی ترقی نے ہمیں اس احساس کا اِدراک دیا کہ ہماری قدریں مغرب کے مقابلے میں کسی طرح بھی کم نہیں ہیں بلکہ چند ایک مخصوص صورتوں میں تو ہمیں ان پر سبقت بھی حاصل ہے۔ اسی انداز میں سوچتے ہوئے جب سے ایشیائی لوگوں نے ذہنی غلامی کا طوق اُتارا ہے، تب سے ہی وہ قدرتی طور پر مغربی خیالات کے خلاف زیادہ مدافعت کرنے لگے ہیں۔

اب تو یہاں تک صورتحال پہنچ چکی ہے کہ ہم میں سے چند ایک تو مغرب کو منہ توڑ جواب بھی دینے لگے ہیں اور ان کے اس فعل کے پیچھے یہ استدلال ہوتا ہے کہ ایشیائی اقدار مغربی اقدار سے بہتر اور زیادہ مؤثر ہیں۔ شاید ہماری اس ذہنی تبدیلی نے مغرب میں پہلے سے کہیں زیادہ اضطراب پیدا کردیا ہے لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ یہ ایک مثبت بحث کا آغاز ہے۔ جس کا ہم سب کو بڑی مدت سے انتظار تھا جو کہ ایشیا میں آنے والے اس عارضی بحران سے نہیں دَب سکتی۔ جبکہ اس کے برعکس آج کے حالات یہ تقاضا کرنے لگے ہیں کہ ہم کل کی نسبت زیادہ بھرپور انداز میں اخلاقی اور انسانی اقدار کا آج کے کیپٹل سسٹم کی خالص معاشی اور مادّی اقدار سے تقابلی جائزہ لیں۔

ایشیائی اقدار کا نظام کس ضابطہ حیات کی حمایت کرتا ہے؟

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ وہ کون سی ایشیائی اقدار ہیں جو مغرب میں ایک بڑی بحث کے آغاز کا باعث بنیں؟ ایشیا امریکہ اور یورپ کے مقابلے میں کہیں بڑا براعظم ہے اور ہمارے ہاں پائی جانے والے بہت سے عمومی خیالات اپنے اندر ایک خاص طرز کی خصوصیت رکھتے ہیں۔ جس کے ساتھ ہی مختلف ایشیائی اقوام اپنا اپنا خاص اور تاریخی اور مذہبی منظر رکھتی ہیں۔ ملائشیا ایک اسلامی ملک ہے۔ جاپان اور ساؤتھ کوریا میں زیادہ تر لوگ کنفیوشس (Confucian) ہیں یا شنٹو (Shinto) اور بدھ جبکہ تھائی لینڈ میں ہیایانا بدھ (Hiayana Bodh)۔ اس قسم کے واضح فرق کے باوجود ایشیائی لوگوں میں بہت سی مشترکہ

www.KitaboSunnat.com

خصوصیات پائی جاتی ہیں اور ان مشترکہ خصوصیات کی بنا پر ہی وہ 'ایشیائی' کہلاتے ہیں جس طرح کہ مغرب کے لئے ویسٹرن (Western) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

❶ **فرد کی بجائے 'اجتماع' کو برتری:** سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ایشیائی اقدار میں بنیادی اہمیت بالترتیب خاندان اور کمیونٹی کو حاصل ہے۔ ہم لوگ زیادہ زور کسی خاندان یا کمیونٹی کے حقوق کی پاسداری پر دیتے ہیں۔ کبھی بھی فردِ واحد کے حقوق کو خاندان یا کمیونٹی کے حقوق پر ترجیح نہیں دی جاتی۔ ہم اس بات کو یوں لیتے ہیں کہ فردِ واحد کے ذمہ پہلے وہ فرائض ہوتے ہیں جو کہ اس پر کمیونٹی یا خاندان کی طرف سے واجب الادا ہیں۔ اس کے بعد اس کے حقوق آتے ہیں جو کہ قدرتی طور پر اس وقت اُسے ملنے لگتے ہیں جب وہ اپنے فرائض ادا کرنے لگتا ہے۔ جبکہ مغرب میں فرد کے حقوق کو ہر چیز پر ترجیح دی جاتی ہے۔

❷ **بااختیار کی اطاعت:** اس کے بعد ایشیائی اقدار میں بااختیار کی اطاعت کو اہمیت دی جاتی ہے۔ بااختیار سے ہماری مراد سوسائٹی کو متوازن رکھنے کی ضمانت سے ہے۔ کیونکہ اختیار کے توازن کی عدم موجودگی میں اختیار کی تعظیم پر یقین نہ رکھا جائے تو چاہے مغربی معاشروں کی طرح فردِ واحد کے حقوق کا جتنا بھی واویلا کیا جاتا رہے، ایسا معاشرہ بدنظمی کا شکار ہوجاتا ہے۔

اس کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ ہر قسم کے اختیار کو ہمیشہ تسلیم کرلیا جانا چاہئے اور نہ ہی یہاں اس سے میری مراد ڈکٹیٹر شپ سے ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہٹلر اور پول پوٹ جیسے مطلق العنان حکمرانوں کے پاس بے حد اختیارات تھے جبکہ ایسے اختیارات ہمیشہ عوام الناس کے لئے خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایسی حکومتیں خوف و ہراس اور اندھی تقلید کی بنیاد پر چلائی جاتی ہیں۔ میں جمہوریت پر پختہ یقین رکھتا ہوں، کیونکہ جمہوریت ہی ایسا طریقہ کار ہے، جس کے ذریعے بغیر کشت وخون کے اقتدار میں تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ اسی لئے کسی بھی عظیم تر جمہوری معاشرہ کے شہریوں کو ریاست کی حکومت کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی فردِ واحد کے حقوق اور سوسائٹی کی جانب واجب الادا فرائض کے درمیان پائے جانے والے صحت مند توازن کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

اختیار کے کردار اور اس کے ناجائز استعمال کو جاننے کے لئے بچے اور والدین کے رشتے

www.KitaboSunnat.com

کا استعارہ ایک خوبصورت مثال ہے۔ میں یہاں اس بات کا اضافہ کرنا چاہوں گا کہ کسی بھی بچے پر اپنے والدین کی تعظیم فرض ہوتی ہے مگر ایسا ہر صورت میں نہیں کیا جاسکتا۔ جس سے یہ بات واضح طور پر سمجھ آتی ہے کہ طاقت اور اختیارات کا ناجائز استعمال کسی بھی حالت یا صورت میں قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ ایسی بہت سی مثالیں ہمارے مشاہدے میں آتی ہیں کہ والدین اپنے بچوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں یہاں تک کہ ان پر جنسی تشدد بھی کیا جاتا ہے۔

طاقت یا اختیار کا ایسا استعمال کسی بھی انداز سے درست تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ بہتر اختیارات ایک دوطرفہ ٹریفک کا نام ہے۔ جس میں ایک طرف لیڈر اور اس کی ٹیم جبکہ دوسری طرف ریاست کے شہری اس انداز میں چلتے ہیں کہ دونوں اطراف کے حقوق وفرائض میں ایک صحت مند توازن قائم رہے۔

اب یہاں قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ اچھے اور برے اختیارات میں کس طور تمیز کی جاسکتی ہے۔ میرے خیال میں عام طور پر شہری بڑی آسانی سے یہ اندازہ لگا لیتے ہیں کہ حکمران کس انداز میں اختیارات کا استعمال کررہے ہیں کیونکہ کوئی بھی ایسی حکومت جو اپنے پروگرام کے مطابق کام کرتے ہوئے لوگوں کے لئے خوشحالی کے مواقع پیدا کررہی ہو اور عام طور پر عوام سے بدسلوکی روا نہ رکھے تو یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ حکومت اپنے اختیارات اچھے طریقے سے استعمال کررہی ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی حکومت بدعنوان ہوگی تو یقیناً اس کا طرزِ حکومت غیر مؤثر ہوگا اور وہ اپنے شہریوں پر ناجائز دباؤ ڈالے گی تو وہ جان لیں گے کہ اختیارات ان کے خلاف استعمال کئے جارہے ہیں اور یوں ایسی حکومت کے خلاف عوامی بغاوت کی راہ ہموار ہوتی چلی جائے گی۔ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ کوئی بھی اختیارات کی غیر مشروط اطاعت نہیں کیا کرتا۔ اس لئے اختیارات کو مؤثر بنانے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ ان میں ایسی خصوصیات پیدا کی جائیں جو لوگوں کے لئے دلکشی کا باعث ہوں۔

تاریخ میں ایسے واقعات جابجا ملتے ہیں جہاں کہیں بھی اختیارات کو عوام الناس کے خلاف استعمال کیا گیا، وہاں ایسے عوامی لیڈر پیدا ہوئے جنہوں نے لوگوں میں سول نافرمانی کے ذریعے ان اختیارات کے خلاف اپنی آواز بلند کرنے کا شعور بیدار کیا۔ گذشتہ ایک صدی

www.KitaboSunnat.com

میں ایسے دو لیڈر مارٹن لوتھر کنگ جونیئر جو کہ امریکہ میں 'سول رائیٹس موومنٹ' کا بانی تھا اور مہاتما گاندھی کی صورت میں نظر آتی ہیں۔ گاندھی نے قابل ستائش انداز میں عدمِ تشدد کی بنیاد پر سول نافرمانی کے طریقہ کار پر عمل کرتے ہوئے یہ بات ثابت کی کہ اختیارات کے ناجائز استعمال کے خلاف کس طرح ایک مؤثر جنگ لڑی جاسکتی ہے۔ اس بات سے مجھے اپنا طالب علمی کا وہ زمانہ یاد آجاتا ہے جب میں اور میرے ساتھی جس انداز میں دوسری جنگِ عظیم کے دوران برٹش سامراج کے ملائین یونین پلان کے خلاف احتجاج کررہے تھے۔

۳ **آزادی:** جب کبھی بھی مشرقی اور مغربی اقدار کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو لفظ 'آزادی' کی تشریح اور خاص طور پر آزادیٔ صحافت کے سوال پر ایک بالکل نئی بحث کا آغاز ہوتا ہے۔ مجھے عام طور پر آزادیٔ صحافت کا مخالف کہا جاتا ہے یا مجھے آزادیٔ صحافت اور آزادیٔ تحریر وتقریر سے منحرف شخص کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جبکہ اُصولی طور پر میں آزادیٔ صحافت کا قائل ہوں، لیکن اس وقت کیا کیا جانا چاہئے جب کسی صحافی کی آزادیٔ تحریر سے بہت سے لوگوں کے حقوق مجروح ہورہے ہوں؟ اگر کوئی شخص کوئی ایسی بات چھاپ دے جس کا خمیازہ لاکھوں لوگوں کو بھگتنا پڑے اور اگر یہی آزادی صحافت تفرقہ بازی اور نفرت کو ہوا دینے لگے تو میں سمجھتا ہوں کہ ایسی صورت میں اس انداز کی آزادی صحافت کو ضرور لگام دینی چاہئے۔

میں آزادیٔ صحافت سے اتفاق کرتا ہوں لیکن اس وقت جب تک یہ دوستوں کی آزادی، عزت یا مال کے لئے کوئی خطرہ نہ پیدا کررہی ہو۔ مثال کے طور پر ملائشیا ایک ایسا ملک ہے۔ جہاں بہت سی نسلوں کے لوگ آباد ہیں تو یہ بڑی آسان بات ہے کہ یہاں نسلی امتیاز کو ہوا دے کر نسلی فسادات شروع کروا دیے جائیں۔ درحقیقت مغربی ذرائع ابلاغ ہمارے خلاف ایسے ہی حربے استعمال کرتے رہے ہیں۔ اگر ایسی رپورٹنگ کی جائے جس کی بنیاد ناقص معلومات پر ہو تو کسی بھی کمیونٹی میں شدید کشیدگی پیدا کی جاسکتی ہے اور پھر اگر ایسی کسی صورت حال میں فسادات شروع ہوجائیں تو کوئی بھی خوشحال سوسائٹی دنوں میں بدحال ہوسکتی ہے کیونکہ ایسی صورتِ حال میں کاروبار ٹھپ ہوجاتے ہیں جس سے لوگوں کے روزگار کو شدید دھچکا لگتا ہے تو پھر ایسی آزادیٔ صحافت کو مخصوص حدود میں رکھنا کوئی بے جا بات نہیں لگتی۔

میں یہ بڑی اچھی طرح جانتا ہوں کہ میرے یہ خیالات مغرب میں پائے جانے والی روایات کے منافی ہیں کیونکہ وہاں پبلشر حضرات اکثر یہ کہتے ہیں کہ ان کی خبروں کے نتیجے میں جو کچھ بھی ہوا، اس کے وہ ذمہ دار نہیں ہیں۔ یہ سب اس لئے چھاپتے ہیں کہ لوگ یہ سب جاننا چاہتے ہیں۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگ کیا جاننا چاہتے ہیں؟ کیا لوگ کوئی ایسی بات جاننا چاہتے ہیں جس کو جان لینے کے بعد وہ تمام لوگوں سے کشیدہ خاطر ہوجائیں۔ جن کے ساتھ وہ ایک لمبے عرصے سے ایک پُرامن فضا میں رہ رہے ہیں۔ میں تو ایسے علم پر جو ہمیں ایک دوسرے کا دشمن بنادے، جہالت کو ترجیح دوں گا۔

بے شک اوپر جو مثال میں نے دی ہے۔ وہ انتہائی درجے کی ہے لیکن میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ بے لگام صحافت کس حد تک مسائل کو پیچیدہ کرسکتی ہے اور اس سے معاشرہ میں مختلف سطح پر بسنے والے لوگوں کے درمیان پائے جانے والے حقوق وفرائض پر ایک طویل اور لاحاصل بحث کا آغاز ہوتا ہے۔

❹ **آزاد اور تخلیقی صلاحیت:** امریکی خاص طور پر امن و استحکام کے داعی ہیں کہ مکمل آزادی، اِفرادی قوت میں تخلیقی صلاحیت اور ذہانت کو اُبھارنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ایسے ممالک پر نظر ڈالی جائے جہاں بڑے پیمانے پر آزادی پائی جاتی ہے جیسا کہ امریکہ میں (مائکروسافٹ کمپنی کا مالک) بل گیٹس جیسے افراد دکھائی دیتے ہیں یا بلند پایہ عالم، موسیقار، کمپوزر اور بے شمار ایسے لوگ جنہیں نوبل پرائز سے نوازا گیا ہے جو کہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس طرز کی آزادی میں اس قسم کے لوگوں کا فقدان ہوتا ہے جیسا کہ جاپان، چین اور دیگر ایشیائی ممالک میں ایسے باصلاحیت لوگ کم پیدا ہوتے ہیں۔

اس دلیل کو ایک معیار کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ بے شک کہ یہ بات کسی حد تک درست ہے لیکن یہاں ایک اہم تقاضے کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے کہ آزادی کی اصل اَساس کیا ہوتی ہے؟ کسی بھی ملک کی کاروباری فضا کے لئے آزادی ایک بنیادی شرط ہوتی ہے تو پھر کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ اس آزادی کی بھی حدود طے کی جانی چاہئیں؟

اس کے علاوہ فرد کی انفرادی آزادی سے کیا ہمیں یہ مراد لینا چاہئے کہ جو اس کے من

www.KitaboSunnat.com

میں آئے وہ کرسکتا ہے اور ایسا کرنے سے باقی سوسائٹی پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ اس سے اسے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے؟ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ایسی کوئی بھی آزادی دنیا کے کسی بھی خطے میں پائی جاتی ہے یہاں تک کہ امریکہ میں بھی۔ یہ بات بھی کسی سے نہیں چھپی ہوئی کہ بل گیٹس کی کاروباری آزادی پر بہت سے اعتراضات کئے گئے ہیں۔ چاہے وہ قانونی طور پر جائز تھے یا نہیں؟ اگر آپ مکمل آزادی کے حامی ہوں تو آپ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ بل گیٹس نے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے، وہ اس کی تخلیقی صلاحیتوں کا ثمر ہے۔ تو پھر کیا یہ اس کا حق نہیں بنتا کہ وہ کمزور مدمقابل کو نکال کر پوری مارکیٹ پر بلاشرکت غیرے قبضہ جمالے۔ کیا کسی بھی لبرل سوسائٹی میں رہتے ہوئے جو کہ فری مارکیٹ اکانومی کا حصہ ہو، وہاں بل گیٹس جیسے کسی بھی کاروباری کے ایسے حق کو چھیننا جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی فردِ واحد کے بنیادی حقوق بہت سے دوسرے لوگوں کے حقوق کو دبانے کا باعث بنتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر موسم سرما میں برطانوی کوئلے کے کان کن ہڑتال کردیں جیسا کہ مارگریٹ تھیچر سے پہلے کا معمول ہوا کرتا تھا تو لوگوں کی ایک کثیر تعداد انگلستان میں ایندھن کی کمی کا شکار ہوجائے گی۔ جس سے بیمار، بچے اور عمر رسیدہ لوگوں کی زندگیوں کو خطرہ بھی ہوسکتا ہے اور اسی طرح جب نرسیں اور ڈاکٹر حضرات ہڑتال پر جاتے ہیں تو اس سے بہت سے مریضوں کو نقصان پہنچتا ہے اور یا جب کاروں کا انجن بنانے والی فیکٹریوں کے ملازم ہڑتال کرتے ہیں تو بہت سی چھوٹی فیکٹریوں کے ملازمین بھی بے روزگار ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ مزدوروں کو یہ حق اپنے حقوق بچانے کے لئے دیا گیا ہے لیکن یہ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ جب وہ اپنے اس حق کا استعمال کرتے ہیں تو بہت سے بے قصور لوگوں کو ناقابل تلافی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔

۱۹۸۰ء میں امریکہ کی ایک شہری آبادی میں جہاں درمیانے طبقے کے لوگ آباد تھے کسی سرمایہ دار نے سینما بنایا جس میں فحش فلمیں دکھائی جانے لگیں تو وہاں کے لوگوں نے اس خیال سے کہ یہ چیز ان کے نوجوان بچوں پر برا اثر ڈالے گی عدالت سے اس سینما ہال کو بند کرنے کی درخواست کی۔ جس کے جواب میں عدالت نے فیصلہ دیا کہ سینما کے مالک کو حق حاصل ہے

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ اپنے سینما میں جس طرح کی چاہے، فلمیں چلا سکتا ہے۔ اس طرح ایک کمیونٹی کو اپنے بچوں کو غیر اخلاقی فلموں کے شر سے محفوظ رکھنے کے حق سے محروم کردیا گیا!!

اس قسم کی مثالوں پر غور کرنے سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ فردِ واحد کی انفرادی آزادی کے حق کو جب اس درجہ جگہ دے دی جائے تو وہ کس انداز میں ایک بہت بڑے گروہ کے مشترکہ حقوق کو پامال کرسکتا ہے جو کسی بھی معاشرہ میں ناانصافی اور ناجائز معاشرتی دباؤ کا باعث بنتا ہے۔ یہاں تک کہ مغرب میں بھی آزادی کی حدود طے کی گئی ہیں۔ کیونکہ کسی بھی مہذب معاشرے کے افراد کو اچھی طرح سے ان حدود کا علم ہونا چاہئے۔

اگر کمپیوٹر کی مثال پر غور کیا جائے جو کہ تخلیقی صلاحیتوں کو اُبھارنے میں اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے، اِسے فحش مواد کی ترسیل کا ذریعہ بنا لیا جائے تو یہ نوجوان نسل کو اخلاقی طور پر تباہ کرسکتا ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ بات کسی بھی صحت مند سوسائٹی کو قابل قبول نہیں ہوگی۔ ملائشیا میں ہمیشہ ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ کاروباری طریقہ کار اور اس میں موجود تخلیقی گنجائشوں کو زبردستی ملائیشین اَقدار سے بھرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ ایسا کرنے سے فرد کی انفرادی آزادی پر گہری چوٹ پڑتی ہے جس سے کمیونٹی کے حقوق غیر ضروری حد تک فرد کی آزادی سے تجاوز کرجاتے ہیں۔ اسکے برعکس میں اس حقیقت سے بہت اچھی طرح آشنا ہوں کہ ہمارے اقدار کے نظام نے ہی ہماری سوسائٹی کی ترقی وخوشحالی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

ایشیائی اور امریکی اَقدار کا تقابلی جائزہ

ڈیوڈ ہچکوک (David Hitchcock) امریکی انفارمیشن ایجنسی کے شعبہ ایسٹ ایشین اینڈ پیسفک افیرز کے ڈائریکٹر ہیں۔ انہوں نے امریکی اور ایشیائی اقدار کے فرق کو جانچنے کے لئے ایک سروے کیا۔ یہ سروے ہچکوک نے ۱۹۹۴ء میں کیا۔ اس سروے کا سوال نامہ کچھ اس طرح سے تھا کہ امریکی اور مشرقی ایشیائی لوگ ایسی پانچ ذاتی اور معاشرتی اقدار کا چناؤ کریں جو ان کی زندگی میں مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس سروے کے نتائج کو ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا گیا۔ جس کا نام Asian values and the United states: How

www.KitaboSunnat.com

much conflict? ہے۔ یعنی ایشیائی اور امریکی اقدار میں کس قدر مخالفت پائی جاتی ہے۔ ہچلوک کے سروے کے نتائج کی صورت میں جو ایشیائی اقدار سامنے آئیں، وہ درج ذیل ہیں:

① ایک منظّم معاشرہ کا قیام
② معاشرتی ہم آہنگی
③ پبلک آفیشلز کے احتساب کی گارنٹی
④ نئے خیالات کی قبولیت
④ آزادئ اظہار
⑥ صاحبِ اختیار کا احترام

امریکی معاشرتی اقدار

① آزادئ اظہار
② فرد کے انفرادی حقوق
③ ذاتی آزادی
④ کھلی بحث
⑤ ذاتی حقوق کی حفاظت
⑥ پبلک آفیشلز کا احتساب

یہاں یہ دلچسپ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ ایشیائی لوگ امریکیوں کے مقابلے میں نئے خیالات اور احتساب پر زیادہ زور دیتے ہیں جبکہ جہاں ایشیائی، معاشرتی تنظیم وہم آہنگی اور صاحبِ اختیار کے احترام پر زور دیتے ہیں، امریکی، انفرادی آزادی اور کھلی بحث پر۔

ذاتی اعتبار سے امریکی اقدار

① خود انحصاری
② انفرادی کامیابی
③ سخت محنت
④ زندگی میں کامیابی کا حصول
⑤ دوسروں کی مدد

ایشیائی اقدار

❁ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی اور احترام: اس بات سے ۳۹ فیصد ایشیائی افراد نے اتفاق کیا جبکہ ۱۹ فیصد امریکی اس سے متفق تھے جبکہ اس کے مقابلے میں ۵۹ فیصد امریکیوں نے انفرادی کامیابیوں پر زور دیا۔

❁ اسی طرح ۶۹ فیصد ایشیائی لوگوں نے حصولِ علم سے اتفاق کیا جبکہ ۱۵ فیصد امریکی اس کے حامی تھے۔ اس کے علاوہ ۴۸ فیصد ایشیائی انفرادی تنظیم کے حق میں تھے جبکہ ۲۲ فیصد

www.KitaboSunnat.com

امریکیوں نے اس سے اتفاق کیا۔

یہ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ یہ سروے کس حد تک سچائی کے قریب ہے مگر اس سے ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مختلف اہم موضوعات کے بارے میں ایشیائی لوگوں کی کیا رائے ہے اور یقیناً ان کی رائے اس سے بہت مختلف ہے جو مغربی دنیا نے ان کے بارے میں قائم کررکھی ہے۔ میں اس سے انکار نہیں کرنا چاہتا کہ بہت سی ایشیائی اَقدار وقت کے ساتھ تبدیل ہوتی چلی جارہی ہیں اور یہ ایک مسلسل عمل ہے۔ جس میں بہت سی ایسی باتیں، چاہے وہ ہمارے حق میں ہیں یا نہیں، ہمیں ترک کرنا ہوں گی کیونکہ ترقی ہمیشہ یہی تقاضا کیا کرتی ہے!!

ایک اور دلچسپ بات جو اس سروے سے ہمارے سامنے آتی ہے کہ بہت سی ایسی اقدار ہیں جو کچھ عرصہ قبل تک مغربی معاشروں کا حصہ تھیں۔ اس میں سے اکثر اقدار جیسا کہ صاحب اختیار کی عزت، خاندان اور انفرادی تنظیم، وکٹورین اَقدار تھیں۔ یہ وہ خیالات ہیں جو مغرب نے وقت گزرنے کے ساتھ ترک کردیے ہیں۔

ایشیائی اقدار کا مستقبل

میں بھروسے سے کہہ سکتا ہوں کہ ایشیائی اقدار کے بارے میں میری رائے سے مراد ڈکٹیٹرشپ کی وکالت، مطلق العنانیت، غیر جمہوری رویے، انسانی حقوق کی پامالی، تشدد، چائلڈ لیبر، عورتوں کے حقوق کی پامالی یا ماحول کی آلودگی کی حمایت کرنا نہیں ہے بلکہ میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ مستقبل میں انسانی حقوق بلکہ انسانیت پر مبنی اَقدار نہ صرف ایشیا بلکہ تمام کرۂ ارض میں پروان چڑھیں گی۔

یہ بھی سچ ہے کہ آج بھی ایشیا کو باقی دنیا سے بہت کچھ سیکھنا ہے تو یہ عین ممکن ہے کہ ایسی صورتِ حال میں بہت سی ایشیائی اَقدار میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوں گی یا وہ سرے سے ختم ہوجائیں گی۔ ماضی میں ہم نے اپنی چند بری اَقدار سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے شدید جدوجہد کی ہے۔ ایشیا میں صورتِ حال یہ ہے کہ ایک طرف تو بہت سے ایشیائی ممالک

www.KitaboSunnat.com

شدید مادّہ پرستی کا شکار ہو چکے ہیں اور دوسری طرف ایسے ممالک ہیں جو مادّہ بیزاری میں گھرے ہوئے ہیں۔ ایسے علاقوں میں روحانیت کو انتہائی درجہ حاصل ہے جبکہ تشدد اور ناانصافی روز مرہ کا معمول ہے۔ چند ایشیائی معاشرے فیٹلزم (Fatalism) کی اخلاقیات کے آگے بے بس دکھائی دیتے ہیں جبکہ دوسرے بیرونی غلبے اور قناعت پسندی کی اَقدار کے سامنے۔ ایشیا میں آج بھی بہت سی جگہوں پر عورتوں اور بچوں سے سخت جسمانی مشقت لی جاتی ہے۔ ایسے معاشرے مخلوقِ خدا کی محبت کے جذبے سے عاری ہیں۔ ایشیا کو ابھی ترقی کی راہ پر چلنے کے لئے بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت پڑے گی۔ بہت سی ایسی اچھی مغربی اقدار ہیں جو کہ ہمیں مستقبل میں اپنانا ہوں گی۔

اہم نکتہ جو ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ ایشیائی اقدار پیدائشی طور پر نہ تو اچھی ہیں اور نہ ہی بری جبکہ ہمارے موجودہ بحران سے اچانک اس خیال کو ہوا ملی ہے کہ ضرور ایشیائی اقدار میں کوئی مسئلہ رہا ہوگا جس کے اصل ولن 'کرونی ازم' اور بدعنوانی ہیں۔ اس سلسلے میں مغربی پنڈتوں اور حکومتوں نے بحران کے پہلے سال میں یہ کہنا شروع کیا کہ اگر ایشیائی اپنی ان بری اَقدار سے پیچھا چھڑا لیں اور وہ خود کو باقی دنیا کے لئے کھول دیں اور اپنے ہاں وسیع تر آزادی کی اجازت دیں تو وہ اپنے ان مسائل کو دنوں میں حل کر سکتے ہیں۔

ایشیائی بحران سے مغرب کے مقدس اَقدار کے نظام میں باہم متضاد خیالات کا پردہ بھی چاک ہوا ہے جو خود کو فری مارکیٹ کیپٹلزم کے ذریعے بیان کرتا ہے۔ ان باہم متضاد خیالات ونظریات پر اب پہلے سے کہیں زیادہ سنجیدگی سے بحث ہونی چاہئے چونکہ وہ تمام نسخے جو ہمارے بحران کی طرز کے مسائل کے حل کے لئے پیش کئے جاتے ہیں، ان کی زبردست ناکامی کے بعد یہ ضروری ہوگیا ہے کہ ان پر از سرنو غور وفکر کیا جائے۔ اس کا اندازہ جاپان سے لے کر یورپ تک کے لیڈروں کے ان بیانات سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے ۱۹۹۸ء کے موسم خزاں میں دیئے۔ برطانوی پرائم منسٹر ٹونی بلیر، جرمنی کے چانسلر شروڈر، جاپانی وزیر اقتصادیات اور ایسے ہی بہت سے لوگوں نے کرنسی اور سرمائے کی آزاد حرکت پر پابندیاں عائد کرنے کی تجاویز پیش کیں۔ بے شک ایسے اقدامات آج کی ضرورت ہیں صرف اتنا ہی کافی

www.KitaboSunnat.com

نہ ہوگا بلکہ ہمیں ایسی اقدار کو فروغ دینا ہوگا جس سے سرمایہ داروں کی قلیل جماعت اپنے انفرادی مفاد کے لئے کروڑوں لوگوں کی تقدیر سے نہ کھیل سکے۔

بنیادی ایشیائی اقدار جن کا ذکر اوپر کی سطور میں کیا گیا ہے۔ ان کا تعلق ہمارے موجودہ اقتصادی بحران کی اصل وجوہات سے نہیں جوڑا جاسکتا۔ لہٰذا یہ ایک بے بنیاد بات ہے کہ ایشیائی بحران درحقیقت ان کی اَقداری خرابیوں کا شاخسانہ ہے۔ اگر کہیں خرابی پائی جاتی ہے تو وہ خالص منافع کی بنیاد پر استوار ان شدید مادّہ پرست اقدار میں ہے جو گلوبل فنانشل سسٹم کی اساس ہیں، جنہیں مغرب نے مرتب کیا ہے۔

خاندان اور کمیونٹی کی جانب ایشیائی لوگوں کا جھکاؤ، اربابِ اختیار کی تعظیم، سخت محنت اور معاشرتی بھلائی کے لئے انفرادی قربانی جیسے اوصاف ہی یقیناً آج کے برے حالات میں ہمیں حوصلہ اور ہمت فراہم کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ اس لئے آج ایشیا کو بہت پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ خاندان اور کمیونٹی کی امداد پر زور دینا چاہئے کیونکہ اگر ہم ان مشکلات سے جلد باہر آنا چاہتے ہیں تو ہمیں پہلے سے کہیں زیادہ سخت محنت کرنا ہوگی جس کے ساتھ ساتھ انفرادی مفادات کو کمیونٹی یا گروہ کے مفادات پر قربان کرنا پڑے گا تاکہ وہ تمام فرائض جو کسی بھی فرد پر اس کی کمیونٹی کے حوالے سے فرض ہیں بہتر انداز میں سرانجام پائیں۔

مستقبل کی ضروریات کو دیکھتے ہوئے یہ بھی واضح دکھائی دے رہا ہے کہ چند ایشیائی اقدار کی یا تو ہمیں اصلاح کرنا ہوگی اور یا انہیں مکمل طور پر ترک کرنا ہوگا مگر اس کے ساتھ چند ایک ایسی باتیں بھی ہیں جن سے جڑے رہنے ہی میں ہماری بقا ہے۔ ہمیں ان معاشرتی اداروں کو بھی بکھرنے سے بچانا ہوگا جن کا انحطاط مغرب میں معاشرتی تعاون کا باعث بنا۔ اگرچہ زیادہ تر مغربی اَقوام عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی ہیں لیکن گذشتہ چند دہائیوں کے اندر عوامی زندگی میں مذہب کا عمل دخل محدود ہو کر رہ گیا ہے کیونکہ انہوں نے سیکولر زندگی کے نام پر مذہب کی بلی چڑھا دی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ لوگ اپنی خواہشات کے اندھے غلام بنتے چلے جارہے ہیں۔ مادّہ پرستی، خودغرضی اورانفرادیت کا بھوت مغربی معاشروں کا قومی نشان بن چکا ہے جس سے کمیونٹی کی جگہ انفرادی خواہشات نے لے لی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

مغربی اقدار میں آنے والی ان تبدیلیوں نے واضح طور پر قائم شدہ معاشرتی اداروں کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں جس سے شادی بیاہ، خاندان، بزرگوں کی عزت اوراہم رسم و رواج تخت وتاراج ہوکر رہ گئے ہیں۔ان نئی اقدار نے ان تمام باتوں کی نفی کر ڈالی ہے جن کا تعلق روحانی یقین اور معاشرتی زندگی سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج مغربی معاشرہ سنگل پیرنٹ فیملی، ہم جنس پرستی، بغیر شادی کے اکٹھے رہنے اور بزرگوں کی عزت نہ کرنے جیسی علتوں کا شکار ہو چکا ہے۔ چند ایک معاشروں کا تو یہ عالم ہے کہ وہاں جائز بچوں کی نسبت ناجائز بچے زیادہ ہیں اور بہت سے ممالک میں ۳۰ سے ۴۰ سال کی عمر کے لوگوں کی ایسی کثیر تعداد موجود ہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی میں کوئی باقاعدہ نوکری نہیں کی ہے اور نہ ہی انہیں ایسی کسی نوکری کی خواہش ہے کیونکہ ایک بے روزگار شخص خود کو صاحبِ روزگار سے بہتر محسوس کرتا ہے۔ایسے حالات میں رہنے والے لوگ روحانی پستی کا شکار ہیں اور انہیں کوئی ایسی صورت نہیں دکھائی دیتی کہ جہاں سے وہ رہنمائی پاسکیں۔ان کی مثال کسی اُکھڑے ہوئے درخت یا بھٹکے ہوئے راہی کی ہے یا ایسے تنکے کی ہے جو کہ تند سمندر کی بے رحم لہروں کے رحم وکرم پر ہو۔

اس معاشی نظام کے اہم ستون شاید سٹاک مارکیٹ، اقتصادی ترقی کا تسلسل اور مادّی خوشحالی ہیں۔ اگر کبھی ایسا ہوا کہ سٹاک مارکیٹ میں کوئی بڑا مندا پڑا جس سے کسی اقتصادی بحران کا آغاز ہوا تو مغربی معاشرتی نظام میں کوئی ایسی گنجائش نہ ہوگی کہ وہ بگڑتے ہوئے حالات پر قابو پاسکیں۔ ایشیائی، کبھی بھی مغرب کی ایسی پیروی نہ کرنا چاہیں گے، بے شک مغرب کسی ایسے بحران کا شکار ہو یا نہ ہو۔ ہم ایشیائی روایات کو کبھی بھی مغربی ہیڈونزم (Headonism) پر قربان نہ ہونے دیں گے۔

جب ہم مستقبل کے کسی نظامِ اقدار کے بارے میں سوچتے ہیں تو ہم اس کی بنیادیں باہمی تعلقات کی مضبوطی اورعزت پر رکھنے کے خواہش مند ہیں۔ ہم اس سے نئے خیالات کی گنجائش بھی رکھنا چاہیں گے کیونکہ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ایسے خیالات ہمیشہ ہی گمراہ کن یا باطل ہی ہوں۔مغرب کو پورا پورا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی راہ چلیں مگر انہیں یہ حق ہرگز نہیں دیا جاسکتا

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ فوجی یا اقتصادی قوت کے بل پر باقی دنیا کو اپنا مطیع کرنے کی کوشش کریں۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اہل مشرق نے مغرب سے بہت کچھ سیکھا ہے اور شاید اقتصادیات کے میدان میں ہم ان کی کچھ زیادہ ہی پیروی کرنے لگے ہیں۔ اس لئے اب ضروری ہے کہ اگر ہم اپنی مشکلات کو کم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان میں سے بہت سی باتوں کو ترک کرنا ہوگا۔ ملائشیا میں بسنے والوں نے اپنے ہمسائے جاپان کے تجربات سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ہم اہل مشرق ومغرب سے وہ سب کچھ سیکھنے کی سعی کرتے ہیں جو ہم میں مثبت تبدیلیاں لانے کا باعث بن سکتا ہے۔

اب یہ بہترین موقع ہے کہ مغرب اپنے اقتصادی اور معاشرتی اداروں کی مضبوطی کے لئے اہل مشرق کی چند باتیں اپنائیں۔ جو توجہ ہم خاندان اور کمیونٹی کی بھلائی پر دیتے ہیں، اس کی آج کے مغرب میں درحقیقت شدید ضرورت ہے کیونکہ وہاں منشیات کے استعمال اور لوٹ مار جیسی اور بہت سی معاشرتی برائیوں نے اپنی جڑیں مضبوط کرلی ہیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ آج جبکہ ہم لوگ چاروں طرف سے اقتصادی مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ امریکی اور مغربی اقوام ہماری اس بات سے اتفاق نہ کریں لیکن اس امکان کو خارج نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارا یہ بحران عالمی سطح پر پھیل سکتا ہے۔ اس لئے یہ بہترین وقت ہے کہ ہم سب اپنی تنگ نظری اور بڑے بڑے مالی منافعوں کے خواب سے باہر نکل کر باہمی تعاون کی بابت کچھ کریں۔ جس سے ہم میں ایک دوسرے سے سیکھنے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کی عزت کرنے کا حوصلہ بھی پیدا ہوگا۔

اس میں کوئی برائی نہیں ہے کہ ایشیائی اقدار، ایشیائی اقدار ہیں جبکہ مغربی اقدار مغربی اقدار ہیں۔ لیکن پھر بھی کپلنگ کے خیالات کے برعکس دونوں یکجا ہوسکتی ہیں اور ان کے ملاپ سے ایک نیا باہمی اعتماد پیدا ہوگا۔ جس میں ایک دوسرے کی شعوری بلندی کی قدر کی جائے گی اور جو کہ ایک ایسی اُمید کو جنم دے گی جس میں برائی کو ترک کرکے اچھائی کو اپنا کر ہی حوصلہ پیدا ہوگا !!

بشکریہ [جمہوری پبلی کیشنز، لاہور]

محدث کے معروف قلم کار محترم محمد عطاء اللہ صدیقی اور ان کی اہلیہ ان دنوں شدید طبی عوارض کا شکار ہیں۔ قارئین سے ان کی صحت یابی کے لئے دعا کی پرزور درخواست ہے۔ ادارہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور سائنس ریاض الحسن نوری

'صحیح سائنسی علم' اسلام کا ہم نوا ہوتا ہے!

تخلیق کائنات کے مقاصد کی حقیقت کے بارے میں اللہ جل جلالہ کا وعدہ ہے ﴿سَنُرِيْهِمْ آيَاتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ "ہم انسانوں کو انفس وآفاق میں ایسی نشانیاں برابر دکھاتے رہیں گے، جو اللہ کے حق ہونے کو ثابت کریں گی۔" جدید سائنس مشاہدے اور تجربے کے استعمال کا نام ہے، اس لئے اس کا دائرہ کار محدود ہے، تاہم حواس وعقل چونکہ انسانی صلاحیتیں ہیں اس لئے ان کے استعمال سے ایسی حقیقتیں واضح ہوتی رہتی ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں قرآنِ کریم سے بعض ایسے حقائق پیش کئے گئے ہیں، جو سائنسی علم سے قرآن کی صداقت کے لئے گواہی دیتے ہیں البتہ یہ واضح رہے کہ سائنس کا دائرہ محدود ہے اور وہ بہرصورت انسانی کدوکاوش کی مرہونِ منت ہے، اس لئے جن چیزوں کو وہ حقائق کے طور پر سامنے لاتی ہے، ان کے بعض نمایاں پہلو قرآن کی تصدیق کے باوصف کئی اعتبار سے ناقص ہوتے ہیں یا کمزور، تاہم یہ جزوی تصدیق بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اہل علم کی شہادت کو انصاف کے قیام سے مشروط کیا ہے، ارشاد ہے ﴿شَهِدَ اللهُ..... وَاُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ﴾ "اہل علم درآں حالیکہ وہ انصاف کے ساتھ قائم ہوں۔" سائنسی حقائق کے قرآن کی تصدیق کرنے کے اعتبار سے کوئی شک وشبہ نہیں ہونا چاہئے۔ اگر سائنسی علم صحیح ہو تو وہ لازماً وحی کی تصدیق ہی کرے گا، تاہم سائنسی علم کی صحت پر بھی قرآن مُہیمن (محافظ) ہے۔ اس لئے اگر سائنسی تحقیقات جزوی یا کلی طور پر مستقبل میں بدل جائیں تو یہ سائنس کے ارتقا کی خوبی ہے، لیکن قرآنِ مجید میں یہی ارتقا قرآن کی تکذیب کا شبہ پیدا کرسکتا ہے۔ اس لئے قرآن کا مفہوم ازل سے ابد تک متعین ہے۔ اخبار وعقائد سے متعلقہ تعلیمات میں نام نہاد ارتقا کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ پیش کردہ سائنسی حقائق کے بارے میں یہ اُصولی نکتہ پیش نظر رہے تاکہ عقیدہ میں استحکام رہے۔ بسا اوقات مرعوب کن سائنسی انکشافات عقائدِ صحیحہ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ وہاں عقیدہ غیر متزلزل رہنا چاہئے اور سائنسی ارتقا کی تصدیق کا انتظار کرنا چاہئے۔ اسی نکتہ کی روشنی میں زیر نظر مقالہ ہدیۂ قارئین ہے۔ (محدث)

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسلؑ کو ان کے زمانی حالات اور ضرورت کے مطابق مختلف معجزات عطا فرمائے۔ حضرت موسیٰؑ کے دور میں اگر جادوگروں کا زور تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپؑ

www.KitaboSunnat.com

کو اسی مناسبت سے معجزات عطا فرمائے تاکہ آپؑ جادوگروں کو زیر کرسکیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے دور میں اگر علم طب عروج پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو بھی ایسے معجزات عطا فرمائے کہ آپؑ اس وقت کے تمام حکیموں اور طبیبوں پر سکہ جما سکیں۔ چنانچہ آپؑ مادر زاد اندھوں اور کوڑھ کے مریضوں کو بحکم الٰہی تندرست فرما دیتے جب کہ کوئی اور حکیم یا طبیب اس کی قدرت نہیں رکھتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر انبیا کا بھی یہی معاملہ رہا ہے۔

البتہ نبی اکرم ﷺ چونکہ خاتم النّبیین ؐ (اللہ کے آخری نبی) ہونے کے ناطے قیامت تک کے لئے نبی و رسول ؐ بنا کر بھیجے گئے، اس لئے ضروری تھا کہ آپ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی آپ ؐ کے معجزات قیامت تک کے لئے سامنے آتے رہتے۔ ویسے تو آپ ؐ کو اپنی زندگی ہی میں بہت سے معجزات (مثلاً شق قمر، اسراء و معراج وغیرہ) سے نوازا گیا تاہم اس کے علاوہ قرآنِ مجید اور احادیث میں بہت سے ایسے دعوے اور حقائق بھی پیش کئے گئے جنہیں اس دور میں محدود آلات اور معلومات کی بنا پر جاننا کسی کے لئے ممکن نہ تھا، آج کی محیر العقول ترقی میں جب بہت سے انکشافات ہوئے تو ان سے قرآن وحدیث کی حقانیت کا اٹل ثبوت میسر آیا کہ قرآن کریم نے انہیں کس طرح مکمل صورت میں آج سے صدیاں قبل پیش کیا تھا۔ سردست انہی میں سے چند ایک ایسے حقائق کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جنہیں سائنسی تحقیقات کے بعد دورِ حاضر میں مسلمہ طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے جبکہ ۱۴۰۰ سال پہلے ہی قرآن وسنت میں ان کی نشاندہی کردی گئی تھی۔

❶ علم جنین (الأجنة) اور تخلیقی مراحل واطوار

انسانی بچے کی پیدائش اور اس کے مختلف مراحل کے حوالہ سے سائنس دانوں نے بیسویں صدی میں بہت سے حقائق دریافت کئے جن میں مزید پیش رفت تاحال جاری ہے۔ خلیہ (Cell)، جینز (Genes) اور ان سے متعلقہ معلومات کی فراہمی نے نہ صرف علم الاجنہ (Embryology) میں ایک بہت بڑا انقلاب برپا کیا بلکہ اس کے ساتھ تخلیقی مراحل کی بہت سی پیچیدگیوں اور مشکلات کو دور کرنے اور بانجھ پن کی مختلف صورتوں پر قابو پانے میں بھی مدد

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہوئی۔ علم الاجنہ اور علم الطب سے متعلقہ کسی صورت کو زیر بحث لانا یہاں مقصود نہیں، تاہم علم الاجنہ کے حوالہ سے بیسویں صدی کی ان دریافتوں کی مناسبت سے ہم عرض کرنا چاہیں گے کہ قرآن وسنت نے چودہ سو سال پہلے ہی ان چیزوں کی نشاندہی کردی تھی۔ مثلاً:

❶ قرآن مجید میں ہے کہ

﴿وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى مِنْ نُطْفَةٍ إِذَا تُمْنَى﴾ (النجم:۴۵،۴۶)

''اور بلاشبہ اللہ نے جوڑا یعنی نر ومادّہ پیدا کیا ایک بوند سے جب کہ وہ ٹپکائی جاتی ہے''

اس آیت میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ نر یا مادّہ کی پیدائش کا انحصار نطفہ پر ہے۔ جدید سائنس بھی قرآن مجید کی اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے ہمیں آگاہ کرتی ہے کہ انسانی پیدائش کا عمل نطفے سے شروع ہوتا ہے۔

❷ اسی طرح قرآن مجید میں ہے کہ

﴿يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ﴾ (الزمر:۶)

''وہ (اللہ تعالیٰ) تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل پر تخلیق کرتا ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ انسانی تخلیق کو رحم مادر میں مختلف مراحل واطوار سے گزارتا ہے۔ یہ مراحل کتنے اور کون کون سے ہیں، اس کی تفصیل قرآن مجید نے اس طرح بیان فرمائی:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ﴾ (الحج:۵)

''اے لوگو! اگر تمہیں مرنے کے بعد جی اُٹھنے میں شک ہے تو سوچو کہ ہم نے تمہیں مٹی☆ سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر خونِ بستہ سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے جو صورت دیا گیا تھا اور بے نقشہ۞ تھا۔ یہ تم پر ظاہر کردیتے ہیں اور ہم جسے چاہیں ایک ٹھہرائے ہوئے وقت تک رحم مادر میں

☆ مٹی سے پیدا کرنے سے مراد حضرت آدمؑ کی پیدائش کی طرف اشارہ ہے۔

۞ بے نقشہ یا غیر مخلّقہ سے مراد وہ بچہ ہے جس کی شکل وصورت خود اللہ تعالیٰ نے واضح نہ کی اور نہ ہی اس میں روح پھونکی اور قبل از وقت ہی وہ ساقط ہوجائے۔

www.KitaboSunnat.com

رکھتے ہیں۔ پھر تمہیں بچپن کی حالت میں دنیا میں لاتے ہیں تاکہ تم اپنی پوری جوانی کو پہنچو۔''

تخلیقی مراحل کو قرآنِ مجید ہی کے ایک اور مقام پر اس طرح بیان کیا گیا ہے:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾ (المومنون:۱۳تا۱۴)

''پھر ہم نے اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا، پھر نطفہ کو ہم نے جما ہوا خون بنا دیا پھر اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنا دیا پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیوں میں بدل دیا پھر (ان) ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنا دیا پھر ایک اور بناوٹ میں اسے پیدا کر دیا۔ برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے۔''

یہی مراحل صحیح احادیث میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ نطفہ چالیس دن کے بعد عَلَقَة (یعنی گاڑھا خون) بن جاتا ہے پھر چالیس دن کے بعد یہ مُضْغَة (یعنی لوتھڑا یا گوشت کی بوٹی) کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ آتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے۔ یعنی چار مہینے کے بعد نفخ روح ہوتا ہے اور بچہ ایک واضح شکل میں ڈھل جاتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: بخاری: کتاب الانبیا اور مسلم: کتاب القدر، وغیرہ)

دورِ حاضر میں تخلیق کے مذکورہ مراحل سائنسی تحقیقات کے بعد متفقہ طور پر تسلیم کئے جا چکے ہیں۔ جبکہ ۱۴۰۰ سال پہلے جب اسلام نے ان مخفی اُمور کی نشاندہی کی تھی، اس وقت یہ معلومات کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھیں۔

یہاں راقم بڑے عجز سے عرض کرنا چاہے گا کہ ۱۹۸۷ء میں جب رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے اسلامی یونیورسٹی آف اسلام آباد میں الاعجاز العلمي في القرآن والسنة کے نام سے ایک بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں 'علم الاجنۃ' سے متعلقہ ایک کتاب "The Developing Human" خصوصی طور پر مندوبین میں تقسیم کی گئی اور اس کانفرنس میں علم الاجنہ اور دیگر سائنسی تحقیقات میں قرآن وسنت کے کردار سے متعلقہ مقالہ جات پیش کئے گئے تو راقم الحروف کے اس موضوع پر دو مقالے منظور ہوئے جبکہ پنجاب بھر سے کسی اور سائنسدان یا عالم دین کا کوئی ایسا مقالہ منظور نہ ہوا۔

www.KitaboSunnat.com

❷ پہاڑوں کو میخیں قرار دینا

قرآنِ مجید میں کئی ایک مقامات پر یہ بات بیان ہوئی کہ پہاڑ میخوں کی حیثیت سے زمین میں گاڑے گئے ہیں۔ بطورِ مثال چند آیات درج کی جاتی ہیں:

① ﴿وَجَعَلْنَا فِي الاَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ﴾ (الانبیاء:۳۱)

''اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنا دیے تاکہ وہ (زمین) انہیں (مخلوق کو) لے کر ڈھلک نہ جائیں۔''

② ﴿وَاَلْقٰى فِي الاَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ﴾ (لقمان:۱۰)

''اور اس نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیئے تاکہ زمین تمہیں ہلا نہ سکے۔''

③ ﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الاَرْضَ مِهَادًا وَّالْجِبَالَ أَوْتَادًا﴾ (النباء:۶،۷)

''کیا ایسا نہیں کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح (اس میں) گاڑ دیا؟''

مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوا کہ زمین پر پہاڑوں کو نصب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ زمین ڈھلکنے اور جھٹکے لگنے سے محفوظ رہے۔ اگرچہ نزولِ قرآن سے پہلے دنیا اس حقیقت سے ناواقف تھی، تاہم اب جدید سائنسی تحقیقات نے بھی قرآن مجید کی اس بات کی تائید کردی ہے۔

جدید علم طبقات الارض کے مطابق ''پہاڑ قشر زمین (Earth's Crust) بنانے والی عظیم پلیٹوں کی حرکت اور ان کی باہمی رگڑ اور مسلسل ٹکراؤ کے نتیجے میں تشکیل پاتے ہیں۔ جب دو پلیٹیں آپس میں متصادم ہوتی ہیں تو ان میں سے جو مضبوط تر ہوتی ہے، وہ دوسری کے نیچے گھس جاتی ہے اور اوپر والی خم کھا کر بلندی اختیار کرلیتی ہے، اسی طرح پہاڑ وجود میں آجاتا ہے۔ جبکہ نیچے والی تہہ زمین کے نشیب میں زیریں جانب بڑھتی چلی جاتی ہے اس طرح ایک گہرائی عمل میں آنے لگتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں کا ایک حصہ نیچے کی جانب بھی ہوتا ہے جو سطح زمین سے نظر آنے والے حصہ کے تقریباً مساوی ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر پہاڑ سطح زمین کے نیچے اور اوپر سے آگے کی طرف بڑھتے ہوئے قشر ارض کی پلیٹوں کو آپس میں بھینچ دیتے ہیں جس سے زمین کی مضبوطی بڑھتی ہے۔ مختصر طور پر ہم پہاڑوں کو میخوں سے تشبیہ دے

www.KitaboSunnat.com

سکتے ہیں جو زمین کے مختلف حصوں کو اسی طرح جوڑتے ہیں جیسے میخیں لکڑی کے ٹکڑوں کو آپس میں جوڑتی ہیں۔'' (قرآن رہنمائے سائنس از ہارون یحییٰ، ص۱۲۲)

۱۹۸۷ء میں رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے اسلام آباد میں منعقد ہونے والی مذکورہ بالا بین الاقوامی کانفرنس میں ایک امریکی سائنسدان نے قرآن مجید کی ان چند (مذکورہ) آیات (جن میں پہاڑوں کو میخیں کہا گیا) کا ترجمہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ۱۰۰ سال پہلے تک سائنس دانوں کا یہی خیال تھا کہ پہاڑ ایسے ہی ٹیلے ہیں جیسے ریت کے ٹیلے بن جاتے ہیں یا قدرتی طور پر مسلسل آندھی وطوفان کے نتیجے میں کسی جگہ مٹی، ریت اور پتھروں کا ڈھیر لگ جاتا ہے مگر اب جدید تحقیقات سے معلوم ہوا کہ پہاڑ اگر ایک میل اونچا ہو تو اس کی جڑ کئی میل تک گہری ہوتی ہے۔ جس طرح میخ کا کچھ حصہ اوپر نظر آتا ہے جبکہ اس کا بڑا حصہ زمین میں ہوتا ہے۔

المختصر یہ کہ اس امریکی سائنس دان نے قرآن مجید کی ان آیات کو معجزاتی آیات قرار دیا کیونکہ ان آیات میں جن حقائق کو ۱۴۰۰ سال پہلے بیان کیا گیا ہے، سائنس دان ان حقائق تک پہنچنے میں اب کامیاب ہوئے ہیں۔

۳ تخلیق کائنات کے سائنسی مشاہدے

تخلیق کائنات کے سلسلہ میں قرآن مجید ہمیں جن حقائق سے آگاہ کرتا ہے، ان کا تذکرہ مندرجہ آیات میں موجود ہے:

① ﴿أَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلاَ يُؤْمِنُوْنَ﴾ (الانبیاء:۳۰)

''کیا کافر لوگوں نے نہیں دیکھا کہ آسمان وزمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور ہم نے پانی کے ساتھ ہر زندہ چیز کو پیدا کیا۔ کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔''

② ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْكَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ﴾ (حم السجدۃ:۱۱)

''پھر (اللہ تعالیٰ) آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ (آسمان) دھواں سا تھا۔ پس اسے اور

www.KitaboSunnat.com

زمین سے (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ تم دونوں خواہ خوشی سے آؤ یا ناخوشی سے۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم بخوشی حاضر ہیں۔''

③ ﴿وَالسَّمَآءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَّإِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ﴾ (الذاریات:۴۷)

''آسمان کو ہم نے قوت سے بنایا اور یقیناً ہم اس میں کشادگی کرنے والے ہیں۔''

مندرجہ بالا آیات میں سے پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے اور ایک دوسرے کے ساتھ پیوست تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو جدا جدا کردیا۔ اب یہی بات جدید سائنس بھی تسلیم کرچکی ہے کہ کرۂ ارض ایک خوفناک حادثے کے ساتھ وجود میں آئی اور اسی حادثہ عظیمہ کو بگ بینگ (Big Bang) یا 'انفجارِ عظیم' بھی کہا جاتا ہے۔

دوسری آیت میں جس چیز کی نشاندہی کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ شروع میں آسمان مکمل طور پر دھوئیں یا گیس کی شکل میں تھا جیسا کہ مشہور ایٹمی سائنسدان جارج گیمو لکھتا ہے کہ

''کائناتی مکان (فضا) کثیر توانائی والی گاما شعاعوں (High Enrgy Gama Radiation) سے پر تھا..... لیکن اس میں موجود مادّہ کا وزن مخصوص زمین سے بالاتر فضا کی ہوا کے برابر ہماری کائنات کی تخلیقی تاریخ کے پہلے گھنٹے کے بعد کائنات میں ۳۰ ملین سال تک کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا۔ (اسی زمانے کے متعلق قرآن نے کہا کہ تمام آسمان دھوئیں یا گیس کی شکل میں تھا) یہی مصنف مزید لکھتا ہے کہ ''بنیادی چیز جس سے کائنات بنی، وہ ہائیڈروجن گیس تھی۔''

(The Creation of the Universe, p.135)

تیسری آیت میں یہ نشاندہی کی گئی ہے کہ کائنات میں مسلسل توسیع کا عمل جاری ہے اور اکثر سائنس دان بھی اس کی تائید کرتے ہوئے اس بات کو تسلیم کرچکے ہیں کہ ہر آن یہ کائنات پھیلتی اور وسیع ہوتی جارہی ہے۔ ہارون یحییٰ اپنی تصنیف 'قرآن رہنمائے سائنس' میں لکھتے ہیں کہ

''۲۰ ویں صدی کی آمد تک دنیائے سائنس میں ایک ہی نظریہ مروّج تھا کہ کائنات بالکل غیر متغیر اور مستقل نوعیت رکھتی ہے اور لامتناہی عرصہ سے ایسی ہی چلی آرہی ہے۔ تاہم تحقیق ومشاہدہ اور ریاضیاتی جانچ پڑتال جو جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے جاری تھی، اس سے انکشاف ہوا کہ اس کائنات کا ایک نکتہ آغاز بھی تھا اور اس وقت سے یہ مسلسل پھیل رہی ہے۔ ۲۰ صدی

www.KitaboSunnat.com

کے شروع میں روسی ماہر طبیعیات الیگزنڈرفرائیڈمین اور بلجیم کے ماہر علم تکوین عالم (Cosmologist) جارجز لیمیٹر کے جمع کردہ نظری حساب کتاب سے یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ کائنات مسلسل حرکت کررہی ہے اور وسیع سے وسیع تر ہورہی ہے۔اس انکشاف کی ۱۹۲۹ء کے مشاہدات سے تصدیق ہوگئی۔ امریکی ماہر فلکیات ایڈوین ہبل نے اپنی دوربین سے آسمان کا مشاہدہ کرنے کے بعد انکشاف کیا کہ ستارے اور کہکشائیں ایک دوسری سے مسلسل دور ہٹ رہی ہیں۔ ایک ایسی کائنات جس میں ہرچیز، دوسری چیز سے پرے ہٹتی جارہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلسل پھیل رہی ہے۔ بعد کے برسوں کی تحقیق بھی اس مشاہدے کی تصدیق کرتی رہی ہے۔قرآنِ مجید نے یہ حقیقت اس وقت بیان کردی تھی کہ جب کسی کو اس کا وہم وگمان تک نہ تھا۔ یہ اس لئے کہ قرآن اس خدا کا کلام ہے جو پوری کائنات کا خالق ومالک اور حکمرانِ حقیقی ہے۔'' (ص۱۱۰،۱۱۱)

۴ بشرطِ صحت آسمان اور زمین کے گول ہونے کا ثبوت

اگرچہ جدید سائنس نے تحقیقی وسائنسی مشاہدات کے بعد یہ بات تسلیم کی ہے کہ آسمان اور زمین گول ہے جبکہ قرآنِ مجید نے ۱۴۰۰ سال پہلے ہی اس حقیقت کا انکشاف کردیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ مسلم سائنسدانوں کا شروع سے یہ موقف رہا کہ زمین گول ہے۔اس سلسلہ میں دین اسلام نے ۱۴۰۰ سال پہلے کیا نشاندہی کی تھی، اس کا تذکرہ ہم آٹھویں صدی ہجری کے عظیم مجتہد یعنی شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتاویٰ کی روشنی میں کریں گے۔شیخ الاسلام نے اس موضوع پر اپنے فتاویٰ میں جابجا بحث کی ہے۔ چنانچہ مجموع الفتاویٰ کی چھٹی جلد میں ایسے ہی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے شیخ رقم طراز ہیں کہ

"السموٰات مستديرة عند علماء المسلمين وقد حكى إجماع المسلمين على ذلك غير واحد من العلماء ائمة الاسلام: مثل أبى الحسين أحمد بن جعفر بن المناوى أحد الأعيان الكبار من الطبقة الثانية من أصحاب الامام أحمد وله نحو اربع مائة مصنف وحكى الاجماع على ذلك الامام أبو محمد بن حزم وأبوالفرج بن الجوزي وروى العلماء ذلك بالأسانيد المعروفة عن الصحابة والتابعين وذكروا ذلك من كتاب الله وسنة رسوله وبسطوا القول

www.KitaboSunnat.com

في ذلك بالدلائل السمعية وان كان قد أقيم على ذلك أيضا دلائل حسابية...... " (مجموع الفتاویٰ، ج٦ ص:٥٨٦)

''مسلمان اہل علم کا موقف یہ ہے کہ آسمان گول ہیں اور بہت سے کبار علماے مسلمین نے اس بات پر مسلمانوں کا اجماع و اتفاق نقل کیا ہے۔ مثلاً احمد بن جعفر بن المناوی جو امام احمد کے اصحاب میں سے طبقہ ثانیہ کے کبیر عالم خیال کئے جاتے ہیں اور وہ تقریباً ۴۰۰ کتب کے مصنف بھی ہیں، نے اسی طرح ابن حزم اور ابن جوزی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ اہل علم نے اس سلسلہ میں اپنی معروف اسناد کے ساتھ یہ بات صحابہ کرام اور تابعین عظام سے بھی ثابت کی ہے اور کتاب وسنت سے بھی اس کے دلائل فراہم کئے ہیں۔ اس مسئلے پر اہل علم نے نہ صرف دلائل نقلیہ سے استشہاد کیا ہے بلکہ دلائل عقلیہ سے بھی اسے ثابت کیا ہے۔''

اس کے بعد شیخ الاسلام قرآن وسنت کے چند نصوص سے استشہاد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ

(وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ)

''اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا اور یہ سب اپنے اپنے فلک (مدار) میں محوِ گردش ہیں۔'' (الانبیاء:۳۳)

سلف صالحین میں سے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ

''فلک چرخ کے تکلہ کے محور کی طرح گول ہوتا ہے اور یہ (آسمان و زمین کے) گول ہونے کی صریح دلیل ہے اور ویسے بھی لغت میں ہر گول چیز کے لئے لفظ فلک استعمال کیا جاتا ہے۔'' (مجموع فتاویٰ، ج٦، ص ۵۸۷)

شیخ الاسلام ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں کہ

اعلم أن الأرض قد اتفقوا على أنها كروية الشكل وهي في الماء المحيط بأكثرها" (ایضاً، ص۵/۱۵۰) ''واضح رہے کہ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زمین کی شکل گولائی نما ہے اور زمین کا اکثر حصہ پانی پر مشتمل ہے۔''

اس پر مزید بحث شیخ الاسلام نے مجموع الفتاویٰ کی ۲۵ ویں جلد (ص ۱۹۵) میں بھی کی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے مجموعہ فتاویٰ کے مذکورہ اجزا ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

[تہذیب واضافہ: حافظ مبشر حسین لاہوری]

❁ اسی موضوع پر مطالعہ کیجئے: 'اسلام اور سائنس کا باہمی تعلق' از عزیز الرحمٰن (ماہنامہ محدث: اپریل ۲۰۰۳ء)

www.KitaboSunnat.com

LRL No. 183
Vol. 35 N0.9

Ph: 5866476
5866396

Monthly MUHADDIS Lahore

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں...... لیکن تعصّبات سے بالا تر رہ کر اِفہام و تفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں...... لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے...... لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے...... لیکن

ع جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے...... لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

...... اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے
زرِ سالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700

www.mohaddis.com